معرکۂ روح و بدن

(اہم اضافوں اور احادیث کی تخریج کے ساتھ نیا ایڈیشن)



ڈاکٹر گوہر مشتاق

معرکۂ روح و بدن

ڈاکٹر گوہر مشتاق

جدید ایڈیشن
(اہم اضافوں اور احادیث کی تخریج کے ساتھ)

اذانِ سحر پبلی کیشنز لاہور

منصورہ ملتان روڈ لاہور 042-35435667

نام کتاب	:	معرکۂ روح وبدن
مصنف	:	ڈاکٹر گوہر مشتاق
ناشر	:	عباس اختر اعوان
		اذان سحر پبلی کیشنز،منصورہ۔ملتان روڈ، لاہور
اشاعت اول	:	اگست 2012ء (جدید ایڈیشن)
مطبع	:	رانا پرنٹرز، لاہور
قیمت	:	140 روپے

ملنے کے پتے:

☆......ادارہ معارف اسلامی منصورہ ملتان روڈ لاہور۔5432419

☆......ادارہ مطبوعات طلبہ 1اے ذیلدار پارک،اچھرہ لاہور۔7553991

☆......دی بک ڈسٹری بیوٹرز،کراچی،021-2787137

☆......مسٹر بکس،سپر مارکیٹ،اسلام آباد فون 051-2278843,2278845

☆......اسلامی کتاب گھر،خیابان سرسید،راولپنڈی 051-4830451

☆......ملک اولڈ بک ڈپو،کمیٹی چوک راولپنڈی

☆......احمد بک کارپوریشن،کمیٹی چوک راولپنڈی

☆......مکتبہ تبلیغ اسلام،الاکرام بلڈنگ راولپنڈی 5962137

☆......النور اسلامک بکس۔سنگاپور پلازہ۔صدر۔راولپنڈی 5794605

☆......ادارہ تطہیر افکار،جی ٹی روڈ،پشاور۔091-262407

☆......ادارہ پاسبان خبر مرکز۔1 سرور روڈ،نزد سٹیٹ بینک بلڈنگ ملتان

فہرست

مغربی مادیت

(((اسلامی روحانیت)))

دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا

اللہ کو پامردیٔ مومن پہ بھروسا
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

(اقبالؒ)

دیتے رہتے ہیں۔اِس کے علاوہ اسلامی رسائل میں اسلام اور سائنس کے موضوعات پر کالم بھی لکھتے ہیں۔انگلش اور اردو میں اسلامی کتب کے مصنف ہیں۔ اُن کی اردو کی کتابوں کی لسٹ درج ذیل ہیں:

1......ایک آنکھ والا دجال
2 ......موسیقی، اسلام اور جدید سائنس کی روشنی میں
3 ......انسانی دل اور قبولِ اسلام۔ ایک مذہبی اور سائنسی تجزیہ
4 ......معرکۂ روح وبدن
5 ......پردہ : عقلمند خواتین کا انتخاب
6 ......دجالی دور اور مسلم نوجوان
7 ......داڑھی کی اہمیت ،قرآن وسنت اور جدید سائنس کی روشنی میں
8 ......ویلنٹائن ڈے۔ بُت پرست رومیوں کا تہوار
9 ......سورۃ الواقعہ کی سائنٹفک تفسیر
10......سورۃ یٰسٓ کی تفسیر، کتاب وسنت اور جدید تحقیقات کی روشنی میں
11 ...... تزکیۂ نفس، اسلام اور جدید علم نفسیات کی روشنی میں
12 ...... روزے کے روحانی اور طبی فوائد۔ قرآن، حدیث اور میڈیکل سائنس کی روشنی میں

معرکۂ روح و بدن

انسان جسے خاک سے پیدا کیا گیا ہے اُس کے اندر اللہ نے روشنی کے لیے فطری کشش رکھ دی ہے۔ اسی لیے انسان اندھیروں سے گھبراتا ہے۔ امریکی سائنسدان جان این آٹ (John N.Ott) نے اپنی کتاب "Health and Light" میں سائنسی تجربات سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ روشنی انسانی وجود کے لیے لازمی شے ہے اور روشنی کی حیثیت انسان کے لیے خوراک کی طرح ہے۔ جس طرح انسان کے جسمانی وجود کو روشنی کی ضرورت ہے اس سے کہیں زیادہ انسان کا روحانی وجود روشنی کا طلبگار ہے۔ یہی چیز انسان کے اندر خواہش پرستش (Worship Instinct) کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اللہ نے انسان کے اندر روشنی کی محبت اس لیے رکھی ہے کہ مٹی سے بنے ہوئے انسان کا دل اللہ سے محبت کرے کیونکہ قرآن کے مطابق:

اللّٰہُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ (سورہ النور: ۳۵)

ترجمہ: ''اللہ ہی آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔''

انسان کے خمیر میں روشنی کی محبت رکھنے کا مقصد یہ بھی ہے کہ وہ رحمانی روشنی (Divine Light) یعنی وحی الٰہی سے استفادہ کر کے راہِ راست پر آئے۔ شیطان کو انسان کی اِس کمزوری کا علم ہے۔ اس لیے وہ انسان پر شیطانی روشنی (Satanic

(Light) کا وار کرتا ہے۔شیطان کو آگ سے تخلیق کیا گیا ہے۔آگ کی روشنی اپنی نہیں بلکہ مستعار ہوتی ہے۔آگ کو روشنی پیدا کرنے کے لیے کسی مآخذ کی ضرورت ہوتی ہے اس کے برعکس رحمان کی روشنی (وحی اور ہدایت) کو کسی مآخذ (Source) کی حاجت نہیں ہوتی کیونکہ یہ Direct اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔اس میں کوئی دجل یا فریب نہیں ہوتا۔اسی روشنی کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَدْ جَاءَ كُم مِّنَ اللهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ ﴿

(سورہ المائدہ: ۱۵)

ترجمہ: ''اللہ کی طرف سے تمہارے پاس (حق کی) روشنی آ چکی اور ایک ایسی کتاب آ چکی جو روشن کتاب ہے۔''

آج مغربی مادیت دراصل شیطانی روشنی کی مرہون منت ہے جبکہ اسلامی روحانیت کا منبع، رحمانی روشنی ہے۔گو کہ تاریخ کے ہر دور میں شیطان نے انسانیت کو اپنی روشنی کا جھانسا دے کر گمراہ کیا لیکن موجودہ دجالی دور میں تو جدید ٹیکنالوجی کا سہارا لے کر شیطان کے لیے انسان کو دجالی روشنی مثلاً ڈش، کیبل، کمپیوٹر وغیرہ کے ذریعے گمراہ کرنا پہلے سے کہیں زیادہ آسان ہو گیا۔پہلے دور میں شیطان صرف اپنے پیروکار انسانوں کے ذریعے دوسرے لوگوں کو گمراہ کرتا تھا لیکن اب شیاطین جن اور انس مل کر ایسی ٹیکنالوجی کے ذریعے انسانوں کو گمراہ کر رہے ہیں جس میں سے فی الحقیقت روشنی نکلتی ہے اور انسان کے مادی وجود کے لیے اس سے بچنا نہایت دشوار ہے۔لیکن شیطانی روشنی کی حیثیت فریب نظر یا ''دجل'' (دھوکہ) سے زیادہ نہیں۔

شیطانی روشنی حقیقت میں تاریکی ہی تاریکی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اللہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ آمَنُوا یُخْرِجُھُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّوُرِ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوا أَوْلِیَآؤُھُمُ الطَّاغُوتُ یُخْرِجُونَھُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ أُوْلَـئِکَ أَصْحَابُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خَالِدُونَ﴿

(سورہ البقرہ:۲۵۷)

ترجمہ:''جو لوگ ایمان لائے ہیں اُن کا دوست خدا ہے کہ اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لے جاتا ہے اور جو کافر ہیں اُن کے دوست شیطان ہیں کہ اُن کو روشنی سے نکال کر اندھیرے میں لے جاتے ہیں۔ یہی لوگ اہل دوزخ ہیں کہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔''

یعنی شیطان کی پھیلائی ہوئی گمراہی کی چکا چوند اصل میں روشنی نہیں بلکہ تاریکی ہے جو انسان کو بالآخر تباہی کے گڑھوں میں پھینک دیتی ہے۔

پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ شیطانی روشنی کے معیار بدلتے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں ہر جگہ روشنی کے لیے ''نور'' یعنی واحد کا صیغہ استعمال کیا ہے جبکہ تاریکی کے لیے ''ظُلُمٰت'' (تاریکیاں) یعنی جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے۔

یعنی راہِ حق صرف ایک ہے جسے اللہ نے وحی کیا ہے اور گمراہیاں بے شمار ہیں جنہیں شیطان موقعہ و محل کے لحاظ سے تصنیف کرتا رہتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس میں رحمانی روشنی (وحی الٰہی) کو شیطانی روشنی سے پاک رکھا گیا ہے۔ حق کو باطل کی آمیزش سے صاف رکھا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جارج برنارڈ شا (George Bernard Shaw) نے کہا تھا کہ اکیسویں صدی کا مذہب اسلام ہوگا۔

کتاب کے اِس نئے ایڈیشن میں نہ صرف بعض مباحث کا اضافہ کیا گیا ہے بلکہ

احادیث کی تخریج بھی شامل کردی گئی ہےاورضعیف احادیث کوعام طور پرنکال دیا گیا ہے اوراس بات کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ صرف صحیح اورحسن احادیث کوہی اس نئے ایڈیشن میں شامل کیاجائے۔

اِس کتاب کا موضوع دنیا کو درپیش معرکہء روح وبدن ہے۔اِس کتاب میں شیطانی روشنی، نہیں بلکہ دراصل شیطان کی پھیلائی ہوئی تاریکی اور گمراہی کے زیرِ اثر پروان چڑھنے والی مادیت پرستی اوراُس کےاثرات کے چند گوشوں پر بحث کی گئی ہے۔ اِن میں مسلمانوں کے خاندانی نظام پراُس کے اثرات خاص طور پر زیر بحث آئے ہیں کیونکہ مسلمانوں کے لیے یہی آخری قلعہ ہے۔کتاب کے دوسرے حصے میں اسلامی عبادات کی حکمتیں اوراُن کے انسانی شخصیت پراثرات جدید سائنسی تحقیقات کی روشنی بیان کیے گئے ہیں۔ آج دنیا میں جو معرکہءروح وبدن برپا ہے اُس کامقابلہ کرنے کے لئے اسلامی عبادات ہی انسان میں وہ روحانی طاقت پیدا کرسکتی ہیں کہ جس سے مسلمان، مغربی مادیت پرستی کا مقابلہ کامیابی کےساتھ کرسکتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ قرآن وسنت کی رحمانی روشنی کےعلاوہ اورکوئی روشنی حقیقی روشنی نہیں کیونکہ:

وَمَن لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُوراً فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ ﴾

(سورہ النور:۴۰)

''اورجس کواللہ روشنی عطانہ کرےتو اسے کہیں بھی روشنی نہیں ملتی۔''

ڈاکٹرگوہرمشتاق
لاس اینجلس، امریکہ
ستمبر 2012ء

مغربی مادیت

(Western Materialism)

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیبِ حاضر کی
یہ صنّاعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

(اقبالؒ)

بجلی سے چلنے والی منشیات

(THE PLUG-IN DRUGS)

حضورؐ نے اپنی احادیث میں قیامت کی جونشانیاں بتائی تھیں اُن میں یہ ذکر تھا کہ ''گھر گھر میں عورتیں ناچیں گی اور فتنہ ہر گھر میں گھس جائے گا۔'' آج ٹی وی سے زیادہ اِس پیشین گوئی کا مصداق اور کوئی نہیں جس کے ذریعہ مسلمانوں میں غیر اسلامی باتیں انتہائی تیزی سے پھیلائی جا رہی ہیں۔ غیر مسلموں بالخصوص یہودیوں کا ایک مخصوص ایجنڈا ہے کہ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلائی جائے تاکہ ایڈز کے مریض کی طرح اُن کے جسم کا دفاعی نظام کمزور ہو جائے اور اُن میں ہر غلط چیز کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت ختم ہو جائے۔

حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں آیا ہے:

اِنِّـیْ لَاُنْـذِرُ کُـمُـوْہُ وَمَـا مِـنْ نَبِیٍّ اِلَّا وَقَدْ اَنْذَرَ قَوْمَہٗ وَلَقَدْ اَنْذَرَہٗ نُوْحٌ قَوْمَہٗ وَلٰکِنْ سَاَقُوْلُ فِیْہِ قَوْلًا لَمْ یَقُلْہُ نَبِیٌّ لِقَوْمِہٖ تَعْلَمُوْنَ اَنَّہٗ اَعْوَرُ وَاَنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِاَعْوَر

(بخاری، مسلم، ترمذی)

''ہر نبی نے اپنی امت کو دجال سے خبردار کیا۔ بیشک نوحؑ نے اپنی قوم کو دجال کے بارے میں خبردار کیا۔ لیکن میں تمہیں دجال کے متعلق ایسی بات بتاتا ہوں جو

اِس سے پہلے کسی نبی نے اپنی قوم کونہیں بتائی۔ وہ بات یہ ہے کہ دجال کی ایک آنکھ ہوگی اور تمھارے رب ایک آنکھ والا نہیں ہے۔''

غور سے دیکھیں تو ٹی وی، کیبل ٹی وی، ویڈیو کیمرہ، کمپیوٹر (انٹرنیٹ) وغیرہ میں اور دجال میں ایک چیز قدر مشترک ہے اور وہ ہے ایک آنکھ۔ ٹی وی اور کمپیوٹر ہی ایک آنکھ والے دجال کے ایجنٹ ہیں جو ہر مسلمان کے گھر میں گھس کر فساد پھیلا رہے ہیں۔ یہ کوئی اتفاق نہیں کہ Times Warner جو کہ فلمی کمپنی ہے اور CBS Broadcasting جو کہ ایک عالمی خبر رساں کمپنی ہے، اُن دونوں کا نشان ایک آنکھ ہے۔

قرآن میں شراب کے متعلق ذکر ہے کہ اس کے کچھ فائدے بھی ہیں لیکن اُس کے نقصانات اُس کے فائدوں سے زیادہ ہیں۔ (البقرہ۔آیت ۲۱۹) اسی لیے شراب حرام ٹھہرائی گئی۔ یہی حال ٹی وی کا بھی ہے۔ ہمیں یہ چیز سمجھ لینی چاہیے کہ انسانی دماغ میں باطل کو حق ثابت (Rationalize) کرنے کی بے پناہ صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ یہ درست ہے کہ ٹی وی پر تلاوت اور فہم قرآن کے پروگرام دکھائے جاتے ہیں۔ مگر اُن کے فوراً بعد بیہودہ اور لایعنی پروگرام پیش کر کے قرآن کے اثر کو فوراً زائل کر دیا جاتا ہے۔ ویسے بھی خود بیٹھ کر تلاوت قرآن کرنے اور ترجمہ قرآن پڑھنے سے جو فائدہ حاصل ہوتا ہے وہ ٹی وی کے پروگرام سے سیکھے ہوئے قرآن کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ آج ٹی وی دیکھنے کا ہی یہ کرشمہ ہے کہ جن مسلمانوں نے Mel Gibson کی ہالی وڈ کی حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کے متعلق جھوٹی بچی فلم Passion of Christ دیکھی تو اُن مسلمانوں نے فلم کے آخر میں حضرت عیسیٰؑ کو صلیب پر انتہائی تکلیف کے ساتھ قتل ہوتے ہوئے دیکھ کر بہت آنسو بہائے بلکہ آنسو ضائع کیے حالانکہ انہی مسلمانوں نے اگر قرآن کا اردو ترجمہ پڑھا ہوتا تو وہ قرآن میں سورۃ النساء میں حضرت عیسیٰؑ کے متعلق پڑھتے:

﴿وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَـٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ﴾ (سورۃ النساء: آیۃ ۱۵۷)

ترجمہ: ''اور اُن لوگوں نے حضرت عیسیٰ کو نہ تو قتل کیا اور نہ ہی صلیب پر چڑھایا بلکہ انہی کی صورت کے کسی دوسرے شخص کو۔''

پھر اللہ نے فرمایا:

﴿بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزاً حَكِيماً﴾ (سورۃ النساء: ۱۵۸)

''اور حضرت عیسیٰ کو قتل نہیں کیا گیا یقیناً بلکہ اُن کو اُٹھا لیا اللہ نے اپنی طرف۔''

ٹی وی اور خبریں

خبروں کے حصول کے لیے بھی ٹی وی کی افادیت محلِ نظر ہے۔ نیل پوسٹ مین (Neil Postman) امریکہ کا ایک بہت بڑا مفکر ہے اور یہاں کی نیویارک یونیورسٹی کے کمیونیکیشن ڈیپارٹمنٹ کا سربراہ ہے۔ اُس نے اپنی کتاب How To Watch TV News میں دلائل سے ثابت کیا ہے کہ ٹی وی پر خبریں دینے کا اصل مقصد صرف لوگوں میں سنسنی پھیلانا اور اشتہارات (Advertisements) کا فروغ ہوتا ہے اور ریسرچ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ اخبارات پڑھتے ہیں وہ اُن لوگوں کے مقابلے میں جو ٹی وی پر خبریں دیکھتے ہیں کہیں زیادہ ملکی حالات سے باخبر ہوتے ہیں۔ کیونکہ اخبار میں خبر زیادہ تفصیل سے ہوتی ہے اور صفحے پر لکھی تحریر، ٹی وی کی سکرین کے مقابلے میں زیادہ بہتر طور پر انسانی ذہن کو یاد رہتی ہے۔

ٹی وی اور موسیقی

ٹی وی پر ہر وقت موسیقی دکھائی جاتی ہے۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں واضح طور پر موسیقی کو حرام قرار دیا ہے مثلاً:

لَیَکُوْنَنَّ مِنْ اُمَّتِیْ اَقْوَامٌ یَسْتَحِلُّوْنَ الْحِرَّ وَالْحَرِیْرَ وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ

(صحیح بخاری، کتاب الاشربہ)

ترجمہ: ''عنقریب میری امت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو زنا، ریشم، شراب اور باجوں کو حلال سمجھیں گے۔''

ٹی وی ڈرامے

ٹی وی ڈرامے جن کے انتظار میں لوگ بے چین ہوتے ہیں اور اپنی روزمرہ کی خصوصاً شام کی مصروفیات کو اُن ڈراموں کے اوقات کے مطابق ڈھالتے ہیں تاکہ کہیں ڈرامہ مس نہ ہو جائے، یہ ڈرامے معیارِ زندگی بلند کرنے کا درس دے کر لوگوں میں بے چینی پیدا کرتے ہیں (یعنی ہمارے پاس فلاں چیز نہیں) اور انہیں مادہ پرست بناتے ہیں، مرد اور عورت دونوں کو جاب کرتا دکھا کر گھر میں خوشحالی کا تاثر دیتے ہیں اور اپنی مذہبی روایات سے بغاوت سکھاتے ہیں۔

ٹی وی کے نقصانات......جدید سائنسی تجزیہ

امریکہ کے اربابِ فکر و نظر نے ٹی وی کے نقصانات کا سائنسی تجزیہ کر کے بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں جیری مینڈر کی کتاب Four Arguments for Elimination of Television اور امریکہ کی معاشرتی نقاد خاتون میری وِن کی کتاب The Plug-In Drugs (یعنی بجلی سے چلنے والی منشیات) شامل ہیں۔ جیری مینڈر (Jerry Mander) کی تو اپنی اشتہارات کی کمپنی تھی جس کی اُس نے ۱۵ سال صدارت کی اور پھر ٹی وی کے بزنس سے توبہ کی اور گھر کا بھیدی ہونے کی حیثیت سے ٹی وی اور کمپیوٹر کی سیاہ کاریوں کے متعلق ایک تحریک شروع کی۔ اسی طرح Jane

Healy Ph.D. ایک Educational Psychologist ہے اور اس کا اس میدان میں ۳۵ سالہ تجربہ ہے۔مندرجہ بالا تمام محققین کی ریسرچ کی بنیاد پر درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

۱۔ ٹی وی کی سکرین پر مناظر یا تصاویر (Images) سیکنڈ کے ۳۰ویں حصے سے زیادہ تیزی کے ساتھ حرکت کرتے ہیں جس کی وجہ سے دماغ میں اُن کو جانچنے اور پرکھنے (Analyze کرنے) کی صلاحیت نہیں ہوتی اور انسانی دماغ اُن کی اچھائی برائی کی تمیز کیے بغیر اُن کو اپنے اندر جذب کرلیتا ہے۔ (Passive Receptance) ۔

۲۔ امریکہ میں اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ ایک عام امریکی شہری ہفتے میں ۳۰ گھنٹے ٹی وی دیکھتا ہے۔جبکہ والدین اپنے بچوں کو روزانہ ۱۵ منٹ سے بھی کم وقت دیتے ہیں۔ چونکہ مسلمان ممالک ہر چیز میں امریکہ کی اندھی تقلید کرتے ہیں اس لیے اس معاملے میں مسلمان والدین کا حال بھی یہی ہوگا۔

۳۔ پچھلے ۴۰ سالوں میں جیسے جیسے بچوں میں ٹی وی کا دیکھنا عام ہوا ہے اُسی رفتار سے امتحانوں میں بچوں کی کارکردگی بد سے بدتر ہوئی ہے۔

۴۔ ٹی وی دیکھنا چونکہ ایک Passive مشق ہے اس لیے اس کی وجہ سے لوگوں میں سستی کی طرف میلان پیدا ہوتا ہے۔

۵۔ ماہرین نفسیات کی کئی سالوں کی تحقیق کا نچوڑ یہ ہے کہ لوگ جب ٹی وی پروگرام (ڈرامے اور فلمیں) دیکھتے ہیں تو وہ اُن ڈراموں میں پیش کیے گئے حالات کو لاشعوری طور پر اپنی روزمرہ زندگی پر نافذ (Apply) کرنے کی کوشش کرتے ہیں لوگوں میں جذباتیت کا رجحان، ایک دوسرے کے لیے غصہ اور حسد، سب کو بھڑکانے میں ٹی وی کا بہت دخل ہے۔

۶۔ ٹی وی اور کمپیوٹر جب چلتے ہیں تو اُن کی سکرین میں سے شعاعیں (Cathode Rays) نکلتی ہیں اور یہ شعاعیں ہمارے دماغوں میں پیدا ہونے والی شعاعوں پر غالب آ جاتی ہیں ۔اس کے نتیجے میں دماغ میں پیدا ہونے والی نیورو کیمیکلز (Neuro Chemicals) میں تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔اس کے سب سے مہلک اثرات چھوٹے بچوں اور ماں بننے والی خواتین پر پڑتے ہیں۔ چھوٹے بچوں میں توجہ مرکوز کرنے میں کمی کی بیماری (Attention Deficit Syndrome) میں سب سے زیادہ دخل ٹی وی کا ہے۔اگر بچہ والدین کو تنگ کر رہا ہو تو ٹی وی کے آگے بٹھانے سے بچہ وقتی طور پر تو چپ ہو جاتا ہے مگر اُس کی قیمت بعد میں دینی پڑتی ہے۔

۷۔ بیری سینڈرز نے اپنی کتاب (In the Absence of a Sacred) میں بتایا ہے کہ کینیڈا کے ایک شہر میں ریڈ انڈین قبائل آباد تھے جن کا رہن سہن مسلمان معاشرے جیسا تھا یعنی اپنے بزرگوں کا احترام ۔وہاں کے سفید فام حکمرانوں نے ریڈ انڈین لوگوں کو اپنے جیسے بنانے کے لیے کوششیں کیں مگر ناکام رہے۔آخر انہوں نے اُن ریڈ انڈین قبائل کو مفت میں ٹی وی تقسیم کیے اور وہاں کے ٹی وی چینل پر اُسی طرح کے پروگرام نشر کیے (جس طرح کے پروگرام پاکستان اور دیگر ممالک میں دکھائے جاتے ہیں) پھر کیا تھا کہ ۲۰ سالوں کے اندر اندر ریڈ انڈین قبائل کا معاشرتی نظام تباہ ہو کے رہ گیا ۔اُن کے نوجوانوں میں بے راہ روی پھیلنا شروع ہوگئی اور نوجوانوں نے اپنے والدین کے خلاف بغاوت کر دی۔ جو کام دوسرے ذرائع نہ کر سکے وہ ٹی وی نے بڑی کامیابی سے کر دیا۔

۸۔ ٹی وی کی ماں یعنی کمپیوٹر کا بچوں کو سکھانا اور بچوں کا انٹرنیٹ پر Chatting کرنا ایک قابلیت سمجھی جاتی ہے حالانکہ اصل قابلیت تعلیم اور مطالعہ کتب سے آتی ہے۔کمپیوٹر تو برطانیہ اور امریکہ میں بن مانس بھی چلا لیتے ہیں۔

کیا ٹی وی چھوڑنا ممکن ہے؟

شروع شروع میں جب ٹی وی کو ایک بندہ چھوڑ دے تو سخت بے چینی ہوتی ہے کیونکہ یہ ایک قسم کا نشہ ہے جسے میری ون نے بجلی سے چلنے والی منشیات (Plug-in Drug) کہا ہے۔ جب کسی نشہ آور چیز کو چھوڑیں تو Wthdrawl Symptoms ضرور ہوتی ہیں۔ لیکن یقین جانیں کہ آپ ایک مہینہ ٹی وی چھوڑیں تو اُس کے بعد آپ کا ٹی وی دیکھنے کو دل نہیں چاہے گا۔ اللہ اور حضورؐ سے آپ کو اگر محبت ہے تو اُن کی خاطر اپنا وقت ٹی وی پر برباد کرنا چھوڑ دیں۔

ہم ٹی وی کو اپنی زندگی سے نکال دیں تو اُس کے متبادل بہت سے مشغلے ہیں۔ مثلاً:

۱۔ میاں بیوی میں سے کوئی ایک اسلامی کتاب کو پڑھے اور دوسرا اُس کو سنے۔

۲۔ خود اسلامی کتاب یا اسلامی رسالہ پڑھنا اور جب دوسری بہنوں سے ملاقات ہو تو اُس کتاب کے متعلق گفتگو (Discussion) کرنا۔

۳۔ بچوں کو اسلامی کہانیاں سنانا۔ یہ بات بہت چھوٹی معلوم ہوتی ہے مگر بیسویں صدی کے عظیم سائنسدان آئن سٹائن نے ایک مرتبہ کہا تھا: ''اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا بچہ ذہین بنے تو آپ اُسے کہانیاں سنائیں۔''

ہمیں اپنے اردگرد برائی کی کثرت کو دیکھ کر اس سے متاثر نہیں ہونا چاہئے کیونکہ کثرت حق کا معیار نہیں ہوتی۔ قرآن پاک میں ہے:

قُل لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿ (المائدہ: آیت 100)

"ان سے کہہ دو کہ پاک اور ناپاک بہر حال یکساں نہیں ہیں خواہ ناپاک کی بہتات تمہیں کتنی کشش والی کیوں نہ معلوم ہو۔ پس اے لوگو جو عقل رکھتے ہو، اللہ کی نافرمانی سے بچتے رہو۔"

جب ۱۲۵۱ء میں تاتاریوں نے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجائی اور لاکھوں مسلمانوں کو قتل کیا تو اس وقت لگتا تھا کہ اب اسلام نہیں اٹھ سکے گا لیکن اُس حادثے میں جو خواتین زندہ بچ گئیں انہی کی کوششوں سے وحشی تاتاریوں نے اسلام قبول کرلیا۔ آج پھر اسلام کو ایسی خواتین کی ضرورت ہے۔

مسلم خواتین کو چاہیے کہ وہ ٹی وی پر وقت ضائع کرنے کی بجائے گھر میں درس قرآن کا اہتمام کریں۔ اپنے بچوں کو صحابہ کرامؓ اور مسلمان علماء (مثلاً امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام ابن تیمیہؒ، امام غزالیؒ) کی سوانح عمریاں سنائیں۔ یہ بات ہمیں بہت چھوٹی نظر آتی ہے لیکن سوانح عمریوں کے بچوں اور نوجوانوں کے ذہنوں پر بہت گہرے نقوش پڑتے ہیں۔ مشہور امریکی سائیکالوجسٹ Scott Peck نے اپنی کتاب The Road Less Travelled میں لکھا ہے کہ بچوں اور نوجوانوں پر سوانح عمریوں کا بہت گہرا اثر ہوتا ہے کیونکہ وہ غیر شعوری طور پر کسی نہ کسی Role Model کو ڈھونڈ رہے ہوتے ہیں۔ جب ہم اپنے بچوں کو اسلامی رول ماڈل مہیا نہ کریں تو بچے اپنی ذہنی ضرورت کی وجہ سے ٹی وی یا فلموں سے کسی ایکٹر کو یا کسی کھلاڑی کو اپنا رول ماڈل بنا لیتے ہیں اور پھر اُسی کی طرح بننے میں اپنی صلاحیتیں لگا دیتے ہیں۔ اللہ ہم سب کو ایک آنکھ والے دجالی فتنے سے بچائے یعنی ٹی وی، ڈش، کیمرہ، کمپیوٹر، انٹرنیٹ وغیرہ۔ آمین

☆☆☆☆☆

میڈیا اور بیت العنکبوت

(ورلڈ وائڈ ویب "www" کی حقیقت)

آج کے ذرائع ابلاغ یعنی میڈیا کے ذریعے پوری دنیا میں خبریں پہنچانے کا کام سرانجام دیا جاتا ہے۔ذرائع ابلاغ کی دو بڑی شاخیں ہیں:

ا۔ پرنٹ میڈیا ۲۔ الیکٹرونک میڈیا۔

پرنٹ میڈیا میں جرائد، اخبارات، کتابیں وغیرہ شامل ہیں جبکہ الیکٹرونک میڈیا ٹی وی (ڈش، کیبل)، ریڈیو اور انٹرنیٹ وغیرہ آتے ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ آج میڈیا کے میدان میں اپنی سحرانگیز طاقت کی وجہ سے الیکٹرونک میڈیا بالخصوص ٹی وی اور انٹرنیٹ عوام پر سب سے زیادہ اثرانداز ہوتے ہیں۔عوام کو اس بات کا اندازہ تک نہیں ہوتا کہ یہ میڈیا ایک مکڑی کے جال (بیت العنکبوت) کی صورت میں اُن کے ذہنوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے جبکہ انہیں اس چیز کا اندازہ تک نہیں ہوتا۔اسی بات کا ذکر قرآن میں سورہ العنکبوت ہی میں مکڑی کے گھر (بیت العنکبوت) کی کمزوری بیان کرنے کے فوراً بعد کیا گیا ہے:"وما یعقلھا الا العلمون "(مگر ان کو وہی لوگ سمجھتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں) اِس مضمون میں میڈیا اور اُس کی روشن خیالی پر روشنی ڈالی جائے گی۔

مغرب میں روشن خیالی کی ابتداء

آج پوری دنیا پر مغربی میڈیا حاوی ہے حتیٰ کہ مسلمان ممالک بھی اُسی کی تقلید جامد کرتے ہیں۔ مغرب میں میڈیا کی ذہنیت کو سمجھنے کے لیے مغرب میں مروج روشن خیالی کی فکر کو سمجھنا ضروری ہے۔ ملائیشیا کے اسلامی فلسفی اور پروفیسر سید نقیب العطاس اپنی کتاب "Islam and Secularism" (مطبوعہ دہلی ۲۰۰۲ء) لکھتے ہیں کہ مغرب میں روشن خیالی کی ابتداء چار صدیاں پہلے مذہب سے بیزاری کے ساتھ پیدا ہوئی۔ جبکہ یورپ میں ایسے فلسفی پیدا ہوئے جنہوں نے سب سے پہلے فطرت پرستی، پھر عقل پرستی اور بالآخر خدا کی ذات سے بیزاری کا درس دیا۔ ہالینڈ کی لیڈن یونیورسٹی (University of Leiden) کے شعبہ فلسفہ کے سربراہ کارنیلس وین پوئیرسن (Cornelis van Peursen) کے مطابق سیکولرآئیزیشن (Secularization) کا یہ عمل دراصل انسان کی پہلے مذہب سے اور پھر اپنی عقل پر سے ہر قسم کے مذہبی اثر سے آزادی پر مشتمل ہے۔ انگریزی کا لفظ ''سیکولر'' (Secular) جو کہ مغرب کی روشن خیالی کا پیش خیمہ ہے دراصل یونانی لفظ "Seclorum" سے مشتق ہے جس کا مطلب ہے ''جدید دور یا موجودہ دور کا۔''(1)

سیکولرازم کی اصطلاح کا متبادل اگر ہم قرآن میں ڈھونڈیں تو یہ غیر اسلامی نظریہ قرآن کے نظریے کے بالکل خلاف نظر آتا ہے۔ سید نقیب العطاس کے مطابق ''سیکولر'' کے قریب ترین اصطلاح جو قرآن میں پائی جاتی ہے وہ ''حیاۃ الدنیا'' یعنی دنیاوی زندگی ہے۔ عربی زبان میں لفظ ''دنیا'' دراصل ''دنا یدنو'' سے نکلا ہے جس کا مطلب ہے ''قریب کی چیز۔'' دلچسپ بات یہ ہے کہ بعض عرب لغت دانوں کے مطابق ''دنیا'' کا

---

1) Al-Attas, Syed Naquib (1978) Islam and Secularism. Virginia, International Institute of Islamic Thought.

ایک مطلب ہے: ''ایسے انگوروں کو حاصل کرنے کی کوشش کرنا جن تک ہاتھ نہ پہنچ سکے۔'' اور اُس دنیا کے تمام انگور کھٹے ہی ہیں۔ یہی اِس دنیاوی زندگی کی حقیقت ہے لیکن لوگ پھر بھی اِس دنیا سے پیار کرتے ہیں اور انگوروں کو حاصل کرنے کی ناکام کوشش میں تمام عمر کھپا دیتے ہیں۔ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ﴿﴾ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَى ﴿﴾

(سورہ الاعلیٰ)

ترجمہ: ''تم دنیا کی زندگی پسند کرتے ہو حالانکہ آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔''

قرآن کے مطابق حیاتُ الدنیا کے مقابلے میں حیاتِ آخرت ہے اور دنیاوی زندگی کو لذت پرستی کے حصول کی بجائے آخرت کی زندگی میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔

مغربی میڈیا کے عناصر ترکیبی

بے شک مغرب میں خبر رسانی کے فن نے ہر میدان میں بے پناہ ترقی کی جس میں معلومات کو محفوظ کرنا (Data Storing)، ریکارڈنگ، معلومات کو بہم پہنچانا، سمع و بصر وغیرہ شامل ہیں۔ مزید برآں، جدید ٹیکنالوجی کی مدد سے میڈیا جس رفتار، پہنچ (Reach) اور جدت کے ساتھ عوام تک رسائی حاصل کرتا ہے وہ بھی حیرت انگیز ہے۔ مغربی نکتہ نظر سے میڈیا کے ذریعے خبریں پہنچانے کا مقصد لوگوں تک ایسی خبریں پہنچانا ہوتا ہے جو سنسنی پھیلانے والی ہوں اور عام معمول کے برخلاف ہوں۔ چنانچہ اُس کے لیے اُن کا نعرہ ہے: (If it bleeds, it leads) یعنی ''جس خبر میں خون خرابے کا ذکر ہے وہی سب سے اہم ہوگی۔''

چونکہ میڈیا کے ساتھ سرمایہ دارانہ نظام کے بے پناہ مفادات وابستہ ہوتے ہیں اس لیے میڈیا کا اہم مقصد سرمایہ داروں کو فائدہ پہنچانا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ ڈیلس سمتھ (Dallas Smith) کے مطابق مغربی میڈیا میں خبروں کو پیش کرنے کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ درمیانی وقفوں میں اشتہارات کے ذریعے مصنوعات اور خدمات کی تشہیر کی جا سکے۔(1)

اس لیے میڈیا پر وہی چیزیں پیش کی جاتی ہیں جو کہ عوام کی توجہ حاصل کر سکیں اور یہ چیز عوام کے سفلی جذبات سے کھیل کر اور اُن کے تجسس کو متحرک کر کے ہی حاصل کی جاتی ہے۔ امریکی مفکر بین باگڈیکین (Ben Bagdikian) اپنی کتاب "The Media Monopoly" میں رقمطراز ہے کہ میڈیا کے سرغنوں نے یہ بات دریافت کر لی ہے کہ جنسیت اور تشدد (Sex and Violence) کی خبریں لوگ ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں اور اس کے تجسس میں میڈیا کے ساتھ چمٹے رہتے ہیں۔(2)

فحاشی اور مایوسی......شیطان کا پیغام

اب غور کریں تو یہی فحاشی اور تشدد کا درس شیطان، انسان کو دیتا ہے۔ سورہ البقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ﴾

(سورہ البقرہ:۲۶۸)

ترجمہ: ''شیطان تمھیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور فحاشی کا درس دیتا ہے۔''

اس آیہ مبارکہ میں شیطان کی دو صفات بیان کی گئی ہیں۔ وہ مفلسی سے ڈرا کر

---

1) Smith, Dallas (1996) Notable Selections in Mass Media. Connecticut.

2) Bagdikian, Ben (2000) The Media Monopoly, Boston, Beacon Press.

مایوس کرتا ہے اور فحاشی کا درس دیتا ہے۔ مایوسی کا ردِ عمل تشدد کی صورت میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔ ماہر نفسیات جے براؤن اپنی کتاب "Techniques of Persuation" میں لکھتا ہے: ''نفسیاتی لحاظ سے جب بندہ اپنے حالات سے مایوس ہوتا ہے تو اُس میں غصہ اور تشدد لازمی طور پر ظاہر ہوتے ہیں۔'' (1)

مزید برآں، میڈیا پر جنسیت کی خبریں دیکھ کر لوگوں میں بات کی تہہ تک پہنچنے کے لیے تجسس پیدا ہوتا ہے جس سے سورہ الحجرات میں روکا گیا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيراً مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضاً﴾ (سورہ الحجرات:۱۲)

ترجمہ: ''اے اہل ایمان! بہت گمان کرنے سے احتراز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے حال کا تجسس نہ کیا کرو اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے۔''

پھر یہی تجسس، غیبت میں بدل جاتا ہے اور معاشرے میں فحاشی کی خبروں کی گردش کی وجہ سے ایک شہوانی ماحول جنم لیتا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ لوگ جب میڈیا پر مسلسل فحاشی اور تشدد کی خبریں دیکھتے رہتے ہیں تو اُن کے ضمیر بے حس (Desensitize) ہوجاتے ہیں اور اُن کی اخلاقی حس رفتہ رفتہ مر جاتی ہے۔ پھر معاشرے میں ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر'' (نیکیوں پر ایک دوسرے کو ابھارنا اور برے کاموں سے روکنا) کی فضا ختم ہوجاتی ہے۔ اب چونکہ مسلمان معاشرے کا طرۂ امتیاز ہی یہ صفت ہے جیسا کہ قرآن میں بیان ہوا ہے:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّهِ﴾ (سورہ آل عمران:۱۱۰)

---

1) Brown, J.A.C. (1971) Techniques of Persuation. From Propaganda to Brainwashing. London, Penguin.

"تم سب سے بہترین امت ہو جسے لوگوں کی ہدایت کے لیے مقرر کیا گیا ہے، تم نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور خدا پر ایمان رکھتے ہو۔"

اس لیے جب مسلم معاشرہ میڈیا پر فحاشی اور تشدد کی مسلسل اشاعت کی وجہ سے بے حس (Desensitize) ہو جاتا ہے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ چھوڑ بیٹھتا ہے تو اُس پر اللہ کا عمومی عذاب آ جاتا ہے چاہے وہ عذاب ظالم حکمرانوں کی صورت میں ہو یا نظام عدل کے ساتھ حکومتی ناانصافی کی شکل میں ہو۔ چاہے وہ آٹے، دال اور چینی کی مہنگائی کی صورت میں ہو یا پورے ملک میں پانی اور بجلی کے شدید بحران کی صورت میں۔

مزید برآں پاکستان بلکہ بیرون پاکستان مسلم ممالک میں بھی کئی مرتبہ بڑے بوڑھے یا گھر کے سربراہ حضرات خاص طور پر ٹی وی یا ڈش یا کیبل گھر میں لگواتے ہیں اور جب اُن کا ضمیر چٹکیاں لیتا ہے تو وہ یہ کہتے ہیں:

"ارے بھئی! ہم نے ٹی وی پر خبریں دیکھنی ہوتی ہیں۔" یا "ہم کیبل پر ڈاکٹر ذاکر نائیک کا مناظرہ دیکھتے ہیں یا کسی عالم کا درس قرآن سنتے ہیں۔"

سابقہ سطور میں ہم نے ٹی وی پر خبروں کی حقیقت تو جان ہی لی ہے۔ اسی طرح وہ حضرات یہ بھول جاتے ہیں کہ کیبل یا ڈش پر اسلامی پروگرام کے فوراً بعد کیا کچھ غلاظت اور موسیقی کے پروگرام دکھائے جاتے ہیں یا جب وہ حضرات نوکری پر جائیں گے یا مسجد میں "اللہ اللہ" کرنے جائیں گے تو اُن کی غیر موجودگی میں اُن کے گھر کے نوجوان حضرات کیبل پر "اسلامی پروگرام" نہیں دیکھیں گے۔ نوجوان اُنہی چیزوں کی طرف کھنچیں گے جن کی طرف اِس جذباتی عمر میں نوجوان عام طور پر جاتے ہیں یا جو پیغام میڈیا عام طور پر لوگوں تک پہنچانا چاہتا ہے۔ یہ دین اسلام کیبل ٹی وی یا ڈش کے پروگراموں کے ذریعے نہیں حاصل کیا جاتا بلکہ اسلامی

کتابوں اور علماء کی شاگردی سے حاصل ہوتا ہے۔ امام شافعیؒ نے اپنے دیوان میں علم حاصل کرنے کے لیے چھ شرائط کو مندرجہ ذیل اشعار میں بیان کیا ہے ۔

اَخِی لَنْ تَنَالَ الْعِلْمَ اِلَّا بِسَتَّةٍ
سَاُ نَبِّیکَ عَنْ تَفْصِیْلِھَا بِبَیَانٍ

ذَکَاءٌ وَ حِرْصٌ وَاجْتِھَادٌ وَبُلْغَۃٌ
وَصُحْبَۃُ اُسْتَاذٍ وَطُوْلُ زَمَانٍ

ترجمہ: ''اے میرے بھائی! تم ہرگز علم حاصل نہیں کر سکتے سوائے چھ چیزوں کے ساتھ۔ میں تمہارے سامنے ابھی اُس کی تفصیل بیان کرتا ہوں۔(1) ذہانت
(2) شوق (3) محنت (4) علم حاصل کرنے کے صحیح طریقے
(5) اُستاد کی صحبت اور (6) لمبا عرصہ۔''

(دیوان الشافعی، مطبوعہ مصر، ۲۰۰۳ء)

میڈیا اور تین سَروں والا اژدھا

حج کے موقع پر رَمی ایک ایسا عمل ہے جس میں حاجی پتھر کے تین ستونوں پر کنکریاں مارتے ہیں۔ یہ تین ستون تین شیاطین کی نمائندگی کرتے ہیں جنہوں نے ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے خاندان کو وسوسہ اندازی کی۔ اس کے علاوہ یہ تین شیاطین دراصل اُس شیطانی تثلیث کو بھی ظاہر کرتے ہیں جن کا وجود ہر مذہب میں رہا ہے اور جنہیں قرآن میں فرعون، قارون اور بلعم بن باعورا کے تین تاریخی کردار کی صورت میں بیان کیا گیا ہے کیونکہ ہر طاغوتی نظام میں فساد کی جڑ یہی تین شیاطین ہوتے ہیں یعنی ڈکٹیٹر حکمران، سرمایہ دار اور حکومتی مولوی یا کرائے کے علمائے سوء۔ آج پوری دنیا کا میڈیا انہی تین

کرداروں کے مفادات کے تحفظ کے لیے کام کرتا ہے۔ ہم اسلامی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہم دیکھیں گے کہ دنیا دار بادشاہ اور امراء، ضمیر فروش علماء اور جاہ پسند درویش۔ یہی وہ تینوں عناصرِ فساد ہیں جو اسلام کے درخت کو دیمک کی طرح چاٹتے رہے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے اپنے ایک شعر میں فرمایا تھا:

وَهَلْ اَفْسَدَ الدِّيْنَ اِلَّا الْمُلُوكِ
وَاَحْبَارُ سُوْءٍ وَرُهْبَانُهَا

''دین کو محض بادشاہوں، برے علماء (سرکاری علماء) اور غلط کار
درویشوں (پیسے کی خواہش کرنے والے صوفیاء) نے خراب کیا ہے۔''

آج جبکہ ٹیکنالوجی اور صنعت نے بہت ترقی کر لی ہے اور مادیت پرستی کی وجہ سے لوگوں کا رجحان روحانیت سے ہٹ گیا ہے تو غلط کار درویشوں کی جگہ سرمایہ دار نے لے لی ہے لیکن یہ شیطانی تثلیث اور تین سروں والا اژدھا بدستور زندہ ہے۔ ڈکٹیٹر یا جابر حکمران قوت کے ذریعے عوام کے اذہان پر حکمرانی کرتے ہیں جس طرح فرعون نے کیا۔ سرمایہ دار یا جاگیردار معاشی استحصال کے ذریعے لوگوں کو غلام بناتے ہیں جس طرح قارون نے کیا اور کرائے کے سرکاری علماء مذہبی تاویلوں اور حکومتی فتوؤں کے ذریعے عوام کی برین واشنگ کرتے ہیں جس طرح بلعم بن باعورا نے بنی اسرائیل کے ساتھ کیا۔ یہ تین سروں والا اژدھا اسلحے کی قوت، سونے کی چمک اور تسبیح کے فریب سے لوگوں کے ذہنوں کو مسخر کر لیتے ہیں۔ ڈکٹیٹر حکمران اور سرمایہ دار حضرات حکومتی علمائے سوء کو میڈیا پر اسلام کا ترمیم شدہ اور جدید ایڈیشن پیش کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں تاکہ لوگ اسلام کی اصل تعلیمات تک نہ پہنچ سکیں جو انسان کو صرف خدا کی چاکری سکھاتی ہیں۔

مغربی میڈیا بلکہ پوری دنیا کے مروج میڈیا کا اصل مقصد حکومتوں اور سرمایہ دارانہ

نظام کا ہر جائز و ناجائز طریقے سے تحفظ ہوتا ہے۔امریکی مفکر نوم چومسکی (Noam Chomsky) کے مطابق ایسی خبریں جن کا مقصد پروپیگنڈا ہوتا ہے انہیں ایسے فلٹرز سے گزرنا ہوتا ہے جو کہ معاشرے کے امیر اور طاقتور طبقے نے اپنے تحفظ کے لیے قائم کیے ہوتے ہیں۔ ایسے حالات میں خبروں کی صداقت پر کیسے اعتبار کیا جاسکتا ہے۔ (1)

امریکی صحافی مارک کرسپن ملر (Mark Crispin Miller) امریکہ میں آزاد صحافت کے ترجمان جریدے "The Nation" کے ۳ جولائی ۱۹۹۶ء کے شمارے میں اپنے مضمون بعنوان "Free the Media" میں لکھتا ہے کہ امریکہ میں ٹی وی پر خبروں کو چار بڑی کمپنیاں کنٹرول کرتی ہیں جو کہ NBC ، ABC،CBS اور CNN ہیں۔ اُن میں سے دو کمپنیاں اسلحہ بیچنے کا کام بھی کرتی ہیں یعنی NBC جو کہ اسلحہ بنانے والی کمپنی "General Electric" کی ملکیت ہے اور CBS نیوز جو کہ "Westing House" کی ملکیت ہے۔ جہاں تک بقیہ دونوں نیوز کمپنیوں کا تعلق ہے تو CNN کی مالک "Time Warner" کمپنی ہے (جس کا علامتی نشان ایک آنکھ ہے جو ہمیں دجال کی ایک آنکھ کی یاد دلاتی ہے) اور ABC نیوز کی مالک "Disney" کمپنی ہے اور یہ دونوں کمپنیاں تفریح اور کھیل (Fun and Games) مہیا کرنے کی سب سے بڑی کمپنیاں ہیں۔ صحافی مارک ملر کے مطابق یہاں پر ہمیں خبریں اور تفریح، امریکہ کی دو سب سے طاقتور صنعتوں کی طرف سے ملتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ خبر رسانی کی ایجنسیاں پل بھر میں رائے عامہ کو بدل کر رکھ دیتی ہیں۔ (2)

---

1) Herman, Edward & Chomsky, Noam (1988) Manufacturing Consent: The Political Economy of the Mass Media. New York, Pantheon Books.

2) Miller, Mark Crispin (July 3, 1996) "Free the Media" The Nation. 9-15

میڈیا اور خناس کے وسوسے

میڈیا کے مالکان میڈیا کو عوام کے تحت الشعور (Subconcious mind) پر اثر انداز ہونے کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں جو دراصل وسوسہ اندازی کے ہم معنی ہے۔ قرآن میں اِس شیطانی چال کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

مِن شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ﴿﴾ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ﴿﴾ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ ﴿﴾ (سورہ الناس)

ترجمہ: ''اُس وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے جو بار بار پلٹ کر آتا ہے، جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے خواہ وہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔''

عربی زبان میں وسوسے کے معنی ہیں پے در پے ایسے طریقوں سے کسی کے دل میں کوئی بری بات ڈالنا کہ جس کے دل میں وہ ڈالی جا رہی ہے اُسے یہ محسوس نہ ہو سکے کہ وسوسہ انداز اُس کے دل میں ایک بری بات ڈال رہا ہے۔ یہ چیز میڈیا بڑی خوبصورتی سے سرانجام دیتا ہے کہ ٹی وی یا انٹرنیٹ پر بیٹھنے والوں کو خبر تک نہیں ہوتی کہ کس طرح اُن کے لاشعور پر اثر انداز ہو کر اُن کی برین واشنگ کی جا رہی ہے۔

ہمارے ذہنوں پر میڈیا کے لاشعوری پیغامات (Subliminal Messages) کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں، اس کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم پہلے یہ جانیں کہ ہمارا شعور (Conscious Mind) کام کس طرح کرتا ہے۔ ہمارے شعور (نفس) کے اندر قدرت نے غلط اور صحیح کی پہچان ودیعت کر رکھی ہے جو کہ ہماری اخلاقی حس (Moral Sense) ہے جس کے متعلق قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا﴾ (سورہ الشمس:۸)

ترجمہ: ''پھر نفسِ انسانی پر اُس کی بدی اور پرہیزگاری الہام کر دی۔''

دوسری طرف ہمارا تحت الشعوری ذہن یہ صلاحیت نہیں رکھتا بلکہ جب ہمارے دماغ کو غیر شعوری یا تحت الشعوری (Subliminal) انداز میں غلط اخلاقی اقدار پیش کی جاتی ہیں تو یہ ہمارے شعوری ذہن کو نظر انداز (Bypass) کرتے ہوئے (جو صحیح اور غلط کی تمیز کی صلاحیت رکھتا ہے)، تحت الشعور میں ذخیرہ ہو جاتی ہیں اور اس طرح ہماری اخلاقی حس تباہ ہو جاتی ہے۔ یہ کام میڈیا اپنے پردۂ سکرین پر نہایت خوبصورتی کے ساتھ کر سکتا ہے۔

امریکی وکیل پامیلا مارسڈن کیپس (Pamela Marsden) قانون کے نامور جریدے "Columbia Business Law Review" کے ۱۹۹۱ء کے شمارے میں بیان کرتی ہے کہ ۱۹۵۷ء میں پہلی دفعہ تحت الشعور کی اہمیت پر لوگوں کی توجہ مبذول کروائی گئی جب جیمس وائیکیری (James Vicary) نے اصرار کیا کہ اُس کی کمپنی "Subliminal Projection Co" نے ایک ایسا آلہ دریافت کیا ہے جو ایک فلمی پردۂ سکرین پر ہر ۵ سیکنڈ کے وقفہ پر ایک سیکنڈ سے کم تر دورانیے کے لیے ایک پیغام دے گا۔ ایک فلمی تھیٹر نے اس آلہ کو ۶ ہفتوں کے لیے استعمال کیا۔ پیغام جو پردہ سکرین پر فلم یا ڈرامے کے دوران بار بار چلایا گیا وہ یہ تھا: "Drink Coca-Cola" اور "Hungry? Eat Popcorn" اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پاپ کارن کی فروخت ۵۸ فیصد بڑھ گئی جبکہ کوکا کولا کی فروخت میں ۱۸ فیصد اضافہ ہوا۔ (1)

آج جبکہ گھر گھر میں کیبل اور ڈش ٹی وی اور انٹرنیٹ ہیں تو یہ تحت الشعوری

---

1) Capps, Pamela Marsden (1991) Rock on Trial: Subliminal Message Liability, Columbia Business Law Review. 27

طریقوں فلموں، ڈراموں، خبروں، اشتہارات اور دیگر مواصلاتی ذرائع میں استعمال کیا جاتا ہے بالخصوص موسیقی کے ساتھ کیونکہ موسیقی اپنے اثرات کی وجہ سے اس عمل کو مزید مؤثر بنا دیتی ہے اور گانوں کے بلیغ اور آنکھوں کی توجہ لینے والے (Eye Catching) بول بڑے غیر محسوس طریقے سے ناظرین کے تحت الشعور تک رسائی حاصل کرتے ہیں اور اُن کے اخلاق و کردار پر مرتسم ہو جاتے ہیں۔

مکڑی کے جال کی کمزوری

قرآن میں مکڑی کے گھر کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنكَبُوتِ اتَّخَذَتْ بَيْتاً وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنكَبُوتِ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿ (سورہ العنکبوت:۴۱)

ترجمہ: ''جن لوگوں نے اللہ کے سوا اور کارساز بنا رکھے ہیں، ان کی مثال مکڑی کی سی ہے کہ وہ بھی ایک گھر بناتی ہے اور بلاشبہ تمام گھروں میں سے کمزور مکڑی کا گھر ہے۔ کاش یہ جانتے!''

مکڑی کی سب سے بڑی خصوصیت اُس کا بنا ہوا جالا (Web) ہوتا ہے۔ مکڑی کا جالا ایک نہایت اعلیٰ قسم کا مواصلاتی نظام ہوتا ہے جو کہ مکھیوں کو پھانسنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جونہی کوئی مکھی اُس میں پھنستی ہے، جالے کی حرکت اور سرسراہٹ مکڑی کو خبر پہنچا دیتی ہے جس کے نتیجے میں مکڑی آ کر اُس مکھی کے گرد مزید جالا لپیٹتی ہے تا کہ مکھی بالکل حرکت نہ کر سکے اور اُس کے بعد اُس کے جسم میں سے تمام حیاتیاتی مادے

(Body Fluids) کو پی کر اُس کا خول اُسی جال میں مکڑی چھوڑ دیتی ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ UNO (اقوام متحدہ) کے علامتی نشان (Logo) بھی مکڑی کا جالا ہے جو پوری دنیا پر پھیلا ہوا ہے۔ اسی طرح ورلڈ وائڈ ویب (www) کا عربی ترجمہ بھی ''البیت العنکبوت العالمي'' کیا جاتا ہے اور قرآن بھی ''بیت العنکبوت'' کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔ قرآن نے کفر کی طاقتوں اور تین سروں والے اژدھے کو بیت العنکبوت سے تشبیہہ دی ہے کیونکہ طاغوتی طاقتیں ایک مکڑی کی طرح عوام کے درمیان جاسوسی کا جالا بنتی ہیں اور پھر اُس میں لوگوں کو پھانس کر اُن کا خون چوستی ہیں اور ان کی برین واشنگ کر کے اُن کا وہی حال کر دیتی ہیں جو ایک مکڑی اپنی شکار مکھی کے جسم کے تمام قیمتی مادے (Vital Fluids) چوس کر کرتی ہے یعنی صرف باہر کا خول چھوڑ دیتی ہے۔ اس تمام کام میں میڈیا اور ورلڈ وائڈ ویب اُن طاغوتی طاقتوں کا سب سے بڑا مددگار ثابت ہوتا ہے۔

آج مسلمان اس بیت العنکبوت اور طاغوتی نظام سے خوفزدہ ہیں حالانکہ اس بیت العنکبوت کے متعلق قرآن نے ہمیں چودہ سو سال پہلے بتا دیا تھا کہ یہ مکڑی کا جالا جو بظاہر مضبوط نظر آتا ہے، اس کی مضبوطی میں ہی اس کی کمزوری پوشیدہ ہے کیونکہ:

ع جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

آج ہمیں جدید سائنس یہ بتاتی ہے کہ مکڑی اپنے جالے (Spider`s Web) کے لیے جو مواد استعمال کرتی ہے (Spider Silk) وہ مضبوطی (Tensile Strength) میں فطرت میں موجود تقریباً تمام چیزوں سے زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔ مکڑی کا جالا، ربڑ کے مقابلے میں 5 گنا زیادہ مضبوط ہوتا ہے، ہڈی کے

مقابلے میں ۴ گنا زیادہ طاقتور ہوتا ہے اور اپنی مضبوطی میں سٹیل (Steel) کا نصف ہوتا ہے۔ اُس میں لچک اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ مکڑی کے جالے کی ایک تار کو اگر ہم 8 کلومیٹر تک لمبا کریں تو پھر کہیں جا کر وہ اپنے وزن کی وجہ سے ٹوٹ سکے گی۔(1)

لیکن اللہ تعالٰی نے مکڑی کے جالے کی مضبوطی میں ہی اُس کی کمزوری رکھ دی ہے۔ مکڑی اپنے جال کو باریک اس لیے بنتی ہے تا کہ اُسے مکھی وغیرہ دیکھ نہ سکیں اور اس کے جال میں آسانی سے پھنس جائیں (وسوسہ بھی اسی طرح باریک سے ڈالا جاتا ہے) لیکن مکڑی کی یہ چال اُسی پر اُلٹ پڑتی ہے کیونکہ تیز ہوا کا ایک ہی جھونکا اُس کے تار پود بکھیر کے رکھ دیتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ میڈیا کے جال، وسوسوں اور نظر کے دھوکوں (Seduction) کا شکار وہی لوگ ہوتے ہیں جو ڈش اور کیبل ٹی وی کے سامنے بیٹھ کر یا انٹرنیٹ پر ویب سرفنگ اور چیٹنگ کر کے اپنا وقت ضائع کرتے ہیں اور کامیاب وہی لوگ رہتے ہیں جو میڈیا کو اپنے اوپر وسوسہ اندازی کا موقع ہی نہیں دیتے بلکہ اپنا وقت دروس قرآن، حدیث نبویؐ کے مطالعہ کرنے، اسلامی علماء کی سوانح عمریاں پڑھنے اور نیک لوگوں کے ساتھ میں گزارتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ میڈیا کے زہر آلود اثرات سے بچ نکلتے ہیں اور اُنہی کے بارے میں اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے:

وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ﴿ (سورہ حٰم السجدہ:۳۵)

ترجمہ: ''یہ چیز بڑے نصیبے والوں کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوتی۔''

☆☆☆☆☆

---

1) Foelix, Rainer (2010) Biology of Spiders. New York, Oxford University Press.

مشینی اساتذہ بمقابلہ انسانی اساتذہ

ٹیچنگ مشینوں کے نتیجے میں انسان کے انسان سے کٹتے ہوئے
رابطوں پر ایک فکر انگیز تحریر

دین اسلام کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ یہ دین ہم تک اساتذہ کے ذریعے پہنچا ہے۔یہی چیز دین اسلام کی حفاظت کی ذمہ دار ہے۔عبداللہ بن مبارکؒ نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا تھا جب آپ نے فرمایا تھا:

لَوْلَا اَسْنَادُ لَقَالَ مَا شَاءَ مَنْ شَاءَ

ترجمہ: ''اگر دین میں سند نہ ہوتی تو کوئی بھی شخص اسلام کے متعلق جو چاہتا کہہ دیتا۔''

''سند'' سے مراد یہ ہے کہ ہم نے یہ حدیث یا یہ اسلامی بات کس اُستاد سے حاصل کی اور اُس نے یہ بات کس استاد سے سیکھی،وغیرہ۔قرآن نے ہمیں تاکید کی ہے کہ جب ہم نے علم حاصل کرنا ہو تو ہمیں چاہیے کہ ہم ''اہل ذکر''یعنی علماء کی طرف رجوع کریں:

فَاسْأَلُوْا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ (سورہ النحل: آیت ۴۳)

ترجمہ: ''اگر تم لوگ خود نہیں جانتے تو اہل ذکر (علم والوں) سے پوچھ لو۔''

ایسے علماء کے متعلق قرآن بتاتا ہے کہ وہ خوف خدا رکھتے ہیں:

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ﴾ (سورہ فاطر: آیت ۲۸)

ترجمہ: "اللہ کے بندوں میں سے تو صرف اہل علم ہی اپنے اللہ سے ڈرتے ہیں۔"

ایسے اساتذہ کے متعلق قرآن یہ بھی فرماتا ہے:

يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِيْنَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِيْنَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ ﴾

(سورہ مجادلہ: ۱۱)

ترجمہ: "تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور وہ لوگ جو اصحاب علم و فضل ہیں، ایسے لوگوں کے درجات اللہ بلند فرمائے گا۔"

اسی سلسلہ تعلیم و تفہیم کی نسبت اپنی طرف کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو اساتذہ میں شمار فرمایا:

إِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا۔ (سنن ابن ماجہ) (1)

"مجھے تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔"

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ آپؐ کو جبرئیل امین جیسے مضبوط استاد نے پڑھایا:

عَلَّمَهُ شَدِيْدُ الْقُوَى ﴾ (سورہ النجم: آیت ۵)

ترجمہ: "حضورؐ کو ایک زبردست قوت والے (فرشتے) نے تعلیم دی ہے۔"

---

1) محدث العراقی کے مطابق اس حدیث کی سند میں کچھ ضعف ہے (تخریج الاحیاء 11/1) البتہ شیخ ناصر الدین البانیؒ نے سلسلة الصحیحة (3593) میں اس حدیث کو اس بنا پر صحیح کہا ہے کہ اس حدیث کے مضمون کو صحیح مسلم کی حدیث تقویت دیتی ہے۔

اسی طرح صحیح بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی اور موطا میں صحیح سند کے ساتھ یہ بھی بیان ہوا ہے کہ پانچ وقت کی نمازیں فرض ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے صحیح اوقات بتانے کے لیے جبرئیلؑ مقتدی تھے۔ جبرئیلؑ نے دو روز تک پانچوں وقت کی نمازیں حضورؐ کو پڑھائیں۔

آج کے دجالی دور میں جہاں معاشرے کی مذہبی اقدار کی اہمیت کو کم کیا جا رہا ہے وہاں پر والدین اور اسلامی علوم کے اساتذہ کی عزت و احترام کو بھی گھٹایا جا رہا ہے۔ دینی مدارس کی مٹی پلید کرنے کے لیے میڈیا پر پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ والدین اور مذہبی مدارس کے معلمین کسی معاشرے کی مذہبی اقدار کو اگلی نسلوں تک منتقل کرتے ہیں۔ نہ رہے گا بانس، نہ بجے گی بانسری۔ اس کے برعکس مسلمانوں کو میڈیا کے ذریعے اسلامی علوم حاصل کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے بجائے اس کے کہ مذہبی اساتذہ سے اسلامی علوم کی تحصیل کی جائے۔ یہ سب کچھ اس لیے کیا جا تا ہے تا کہ UNO کے سوشل انجینئرنگ پروگرام کی مسلمان ممالک میں تکمیل کی جا سکے۔

مشینی اساتذہ اور انسانی اساتذہ کا موازنہ

موجودہ دور میں اسکولوں میں بچوں کو اساتذہ کی بجائے کمپیوٹر سے پڑھانے کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ کئی جگہوں پر ٹیچنگ کے فرائض اساتذہ کی بجائے کمپیوٹرز سے لیے جانے لگے ہیں۔ یہی رجحان اسلامی علوم میں بھی منعکس ہونا شروع ہو گیا ہے۔ آجکل قرآن حفظ کرنے کے کمپیوٹر پروگرام (Software) نکل آئے ہیں۔ اسی طرح کچھ مسلمان کلاسیکل اسلامی علماء کی کتابوں سے علم حاصل کرنے کی بجائے انٹرنیٹ سے اسلامی علوم حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جو خواتین وحضرات اپنے گھروں میں ڈش یا کیبل ٹی وی چینل لگواتے ہیں وہ بھی اپنے ضمیر کی خلش لوگوں سے یہی کہہ کر مٹاتے

ہیں کہ ''اصل میں ٹی وی کے اسلامی چینل پر درس قرآن آتا ہے'' یا ''بچوں کو قرآن پڑھنا سکھایا جاتا ہے'' یا ''مکہ مکرمہ کی تراویح براہ راست دکھائی جاتی ہیں'' وغیرہ وغیرہ لیکن چونکہ ان چیزوں کا ماخذ صحیح نہیں اس لیے ان سے بھلائی کی کوئی امید نہیں لگائی جا سکتی۔ یہ چیزیں تو صرف:

ع دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

کی مصداق ہیں۔ مشینیں جب تک انسان کی غلام رہیں تو معاملہ ٹھیک رہتا ہے۔ جب مشینیں انسان کی اُستاد بن جائیں تو پھر وہی ہوتا ہے جو اقبال نے فرمایا تھا:

ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

حقیقت یہ ہے کہ مشین کبھی انسانی اُستاد کا مقابلہ نہیں کر سکتی کیونکہ انسان کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِىٓ آدَمَ ﴾ (سورہ بنی اسرائیل: ۷۰)
ترجمہ: ''بیشک ہم نے بنی نوع انسان کو عزت بخشی۔''

ٹیچر انسان کو جو علم دیتا ہے وہ معلومات کے ساتھ ساتھ انسانی جذبات واحساسات اور جذبہ انسانیت بھی لیے ہوئے ہوتا ہے جبکہ کمپیوٹر، ٹی وی اور ویڈیو کے ایجوکیشنل پروگراموں سے جو معلومات شاگردوں کو ملتی رہیں وہ جذبات سے عاری ہوتی ہیں۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح ماں کا دودھ غذائیت کے ساتھ ساتھ ماں کی محبت وجذبات بھی رکھتا ہے جبکہ بوتل کے دودھ میں صرف غذائیت ہوتی ہے جیسا کہ ٹیز یک کوچ (Yitzhak Koch, Ph.D) جو کہ ایک اسرائیلی سائنسدان ہے، نے کہا تھا: ''ماں کا دودھ بچے کو

صرف غذائیت ہی نہیں دیتا، دراصل اس ذریعے سے ماں علم اور جذبات کو بچے تک منتقل کرتی ہے۔'' یہی وجہ ہے کہ ماں کی گود کو بچے کی پہلی درس گاہ کہا جاتا ہے۔عرب شاعر احمد شوکی نے کہا تھا:

اَلْاُمُّ مَدْرَسَةٌ اِذَا اَعْدَدْتَهَا
اَعْدَدْتَ شَعْبًا طَيِّبَ الْاَعْرَاقِ

''مائیں مدرسے کی طرح ہوتی ہیں۔اگر تم اُن کو تیار کرو گے تو ایک مضبوط بنیادوں والی قوم تیار کرلو گے۔''

بچے کے پہلے اساتذہ اس کے ماں باپ اور پھر اسکول اور مذہبی مدارس کے معلمین اُس کے اساتذہ ہوتے ہیں جو اس کو اچھائی اور برائی کی تمیز سکھاتے ہیں۔دجالی نظام میں بچوں کو انسانی اساتذہ سے حتی الوسع دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔کینیڈا کے اخبار ٹورانٹو گلوب اینڈ میل (Toronto Globe and Mail) کی خاتون صحافی میرین کیسٹر (Marian Kaster) نے اس سلسلے میں بہت دلچسپ بات کہی ہے:
''اگر بچوں کو ٹی وی کے ذریعے والدین سے دور کردیا جائے گا۔ویڈیو گیمز کے ذریعے اپنے ہم عمر کھیلنے والوں سے دور کردیا جائے گا تو وہ انسانیت کہاں سے سیکھیں گے؟'' **(1)**

جرمنی کا ماہر تعلیم ڈاکٹر رُوڈالف سٹائنر (Dr. Rudolf Steiner) جو کہ بیک وقت فلسفہ، مذہب، علم نفسیات، آرٹ، تاریخ، معاشیات اور سیاسیات میں ماہر تھا اُس نے ۱۹۱۹ء میں جرمنی میں پہلے والڈارف (Woldorf) اسکول کی بنیاد رکھی اور چند ہی سالوں میں والڈارف طریق تعلیم پوری مغربی دنیا میں پھیل گیا۔اس طرز تعلیم کا

---

1) Mander, Jerry (Jan 1985) Wild Duck Review.

مقصد انسانوں کی روح کو Educate کرنا ہوتا ہے۔ امریکی ماہر تعلیم ڈاکٹر رونلڈ کوئٹزک (Dr. Ronald E. Koetzsch) اپنی کتاب "The Parents' Guide To Alternatives in Education" (مطبوعہ بوسٹن، ۱۹۹۷ء) میں والڈارف اسکولوں کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بتاتے ہیں کہ پرائمری اسکول کی کلاسز میں استاد شاگرد کے رشتے کو بہت اہمیت دی جاتی ہے اور مشینوں کی بجائے اساتذہ بچوں کو پڑھاتے ہیں۔ ڈاکٹر رونلڈ لکھتے ہیں:

"Electronic teaching aids, television, audio and video tapes, and films are not used. These are thought to interfere with the direct relationship between teacher and child and to undermine the imagination and creativity of both." (1)

''اس طریق تعلیم میں مشینی ٹیچنگ کے سہارے، ٹی وی، آڈیو اور ویڈیو ٹیپ اور فلمیں نہیں استعمال کی جاتیں۔ ان کے متعلق یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ استاد اور بچے کے براہ راست تعلق میں رکاوٹ ڈالتی ہیں اور استاد اور بچے دونوں کی قوتِ تخیل اور قوتِ تخلیق کو کم کرتی ہیں۔''

جدید سائنسی تحقیقات کی روشنی میں

والدین کو یہ بات کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ ٹی وی یا کمپیوٹر کے سامنے بیٹھ کر اُن کے بچے کبھی بھی ٹھوس علم حاصل نہیں کر سکتے۔ اِن آلات سے بغیر کسی سند اور حوالے کے اسلام کے متعلق غلط فہمیاں پیدا کرنے والا علم تو حاصل کیا جا سکتا ہے لیکن مستند اسلامی علم صرف انسانی اساتذہ اور والدین سے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔

---

1) Koetzsch, Ronald Ph.D. (1997) The Parents' Guide to Alternatives in Education. Boston, Shambhala.

جدید سائنسی تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ علم حاصل کرنے کے لیے بچے کا انسان سے رابطہ نہایت اہم ہے۔ اِس سلسلے میں ایک اہم تحقیق ہارورڈ یونیورسٹی (Harvard University) کی ایک ریسرچ آرگنائزیشن ''پراجیکٹ زیرو'' (Project Zero) نے کی۔

اِس تحقیق میں بچوں کی ایک کہانی "The Three Robbers" (جس کا مصنف ٹامی انجرر "Tomi Ungerer" تھا) کے دو مختلف قسم کے ایڈیشن تیار کیے گئے۔ ایک کتابی صورت میں اور دوسرا ٹی وی پر دکھائی جانے والی تصاویر کی صورت میں۔ کتابی صورت میں کہانی کو ایک محقق نے بچوں کے گروپ کے سامنے بیٹھ کر انہیں وہ کہانی پڑھ کر سنائی۔ اس کے برعکس دوسری صورت میں بچوں کے دوسرے گروپ کے سامنے وہی کہانی انہیں ٹی وی پر تصاویر کی صورت میں اُسی محقق نے بیان کی۔

اس تحقیق کے نتائج حیرت انگیز تھے۔ جن بچوں نے کہانی کو کتابی صورت میں ایک اُستاد سے Directly سنا۔ انہیں کہانی کی تفصیلات ان بچوں کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ یاد تھیں جنہوں نے وہ کہانی ٹی وی پر دیکھی، اس کے علاوہ استاد سے کتابی کہانی سننے والے بچوں کے لیے کتاب میں بیان کیے گئے الفاظ اور محاوروں کو یاد رکھنا اور دہرانا بہت آسان تھا جب کہ ٹی وی پر کہانی دیکھنے والوں اور سننے والے بچوں کے لیے یہ کام مشکل ہو گیا تھا۔ اس پراجیکٹ کا ڈائریکٹر ڈاکٹر ہاورڈ گارڈنر (Dr. Howard Gardner) تھا جو کہ پوری دنیا میں انسانی ذہانتوں کے نظریے (Theory of Multiple Intelligences) پیش کرنے کی وساطت سے مشہور ہے۔

ڈاکٹر گارڈنر نے ان نتائج کی تشریح میں بتایا کہ ٹی وی پر کہانی دیکھنے والے بچے سوالات کے جوابات دیتے ہوئے تصاویر پر زیادہ مرکوز کرتے تھے جبکہ کہانی کو کتابی صورت میں اُستاد سے سننے والے بچوں میں حقائق کی روشنی میں نتائج نکالنے اور نئے خیالات تخلیق کرنے کی صلاحیت کئی گنا زیادہ تھی۔ اس تحقیق سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ٹی وی یا انٹرنیٹ

کوعلم حاصل کرنے کے میڈیم کے طور پر استعمال نہیں کیا جا سکتا جبکہ کتاب کو علم حاصل کرنے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضورؐ پر پہلی وحی کے الفاظ تھے: ''اقراء'' یعنی ''پڑھو'' اور یہ نہیں کہا گیا ''انظر'' یعنی ''دیکھو'' اس سے حضورؐ کی وہ حدیث بھی سمجھ میں آتی ہے جس میں آپؐ نے فرمایا:

قَیِّدُوْا الْعِلْمَ بِالْکِتَابِ. (خطیب فی تاریخ بغداد) (1)

''علم کو کتاب میں (لکھ کر) محفوظ کرو''

مغربی ماہر نفسیات خاتون بریئی آلین ماسکووٹز (Breyne Arlene Moskowitz) کی تحقیقات کا میدان بچوں میں زیادہ (language) سیکھنا ہے۔ اُس نے اپنے ریسرچ مقالے بعنوان "The Emergence of Language" میں ایک ایسے بچے کی کیس ہسٹری بیان کی ہے جو کہ خود تو سن سکتا تھا لیکن اُس کے والدین بہرے تھے۔ وہ بچہ دمے کی مرض کی وجہ سے زیادہ تر گھر پر رہتا تھا۔ اُس کے والدین اُس سے اشاروں کی زبان (Sign Language) میں گفتگو کرتے تھے۔ اُس کے والدین اُس بچے کو روزانہ کئی گھنٹے ٹی وی کے سامنے بٹھاتے تھے تا کہ وہ انگریزی زبان سیکھ جائے۔ تین سال کی عمر کو پہنچ کر بھی وہ بچہ اشاروں کی زبان میں تو گفتگو کر سکتا تھا لیکن وہ نہ انگریزی بول سکتا تھا نہ سمجھ سکتا تھا۔ اُس بچے پر سالہا سال تحقیق کرنے کے بعد ڈاکٹر ماسکووٹز جس نتیجے پر پہنچی وہ درج ذیل ہے:

---

1) یہ حدیث جسے حضرت انسؓ نے روایت کیا ہے ایک صحیح حدیث ہے۔ اِس حدیث کو ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم میں اور امام القضاعی نے مُسند الشہاب میں بھی روایت کیا ہے۔ شیخ البانی نے صحیح الجامع میں اِس حدیث کو صحیح کا درجہ دیا ہے۔

"ٹی وی کو زبان سیکھنے کے ذریعے کے طور پر استعمال نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اگر چہ یہ سوالات پوچھ سکتا ہے لیکن ٹی وی بچے کے سوالات کا جواب نہیں دے سکتا (کیونکہ وہ بے جان ہے) اس لیے ایک بچہ تب ہی زبان سیکھ سکتا ہے جبکہ اُس کے ماحول میں زبان بولی جاتی ہو اور وہ بچہ اُس زبان کو اپنے قریبی ماحول میں موجود انسانوں سے گفتگو میں استعمال کر سکے۔" (1)

یہاں یہ بات بیان کرنا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ بہت سی ماؤں نے اپنے گھروں یا دوسرے لوگوں کے گھروں میں جا کر یہ مشاہدہ کیا ہوگا کہ اُس گھر میں جو بچہ یا نوجوان بہت زیادہ ٹی وی، انٹرنیٹ یا کمپیوٹر کا شوقین ہوتا ہے وہ سب سے زیادہ خاموش ہوتا ہے اور حتیٰ الوسع لوگوں میں میل جول سے دور رہتا ہے۔ یہ سب مشینی اساتذہ کا کمال ہے۔

علم، صبر سے حاصل ہوتا ہے

عربی میں کہا جاتا ہے: "**انما العلم بالتحلم**" (علم، حلم اور صبر سے حاصل ہوتا ہے)۔ جب موسیٰؑ کی ملاقات خضرؑ سے ہوئی تو آپؑ نے اُن سے کہا:

قَالَ لَهُ مُوسَى هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَى أَن تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْداً ﴿﴾ قَالَ إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْراً ﴿﴾

(سورہ الکہف: ۶۸، ۶۷)

ترجمہ: "موسیٰؑ نے اس سے کہا: "کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں تا کہ آپ مجھے

---

1) Moskowitz, Breyne Arlene (1991) "The acquisition of language" chapter in: The Emergence of Language: development and evolution. (ed.) Wang, William S.-Y. New York, W.H. Freeman.

بھی اُس علم کی تعلیم دیں جو آپ کو سکھایا گیا ہے؟" اُس نے جواب دیا۔
"آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے۔"

غور کرنے کی بات ہے کہ یہاں حضرت خضرؑ نے حضرت موسیٰؑ کو جو جواب دیا اُس میں علم کے لیے صبر کو شرط قرار دیا کیونکہ علم مشکل سے حاصل ہوتا ہے۔ امام شافعیؒ نے اپنے ایک شعر میں فرمایا تھا:

اِصْبِرْ عَلٰی مُرِّ الْجَفَا مِنْ مُعَلِّمٍ
فَاِنَّ رَسُوبَ الْعِلْمِ فِی نَفْرَاتِہٖ

(دیوان الشافعی)

"تم اُستاد کی بے رُخی (خشک طبیعت) کو برداشت کرو۔ کیونکہ علم کی ناکامی اُستاد سے نفرت میں پوشیدہ ہے۔"

انسان کو فرشتوں پر جو فوقیت حاصل ہے اس کا اصل سبب علم ہی ہے ورنہ انسان کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے جو نور سے کمتر ہے۔ انسان کی تکریم کا اصل سبب علم ہے، نسب نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علم مشقت سے حاصل ہوتا ہے، آرام و آسائش سے مشینوں کی معیت میں نہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جب پہلی وحی نازل ہوئی تو جبرئیلؑ نے آ کر کہا "اقراء" یعنی پڑھو۔ حضورؐ نے فرمایا: "مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ" "مجھے پڑھنا نہیں آتا۔" پھر حضورؐ نے فرمایا: "اس کے بعد جبرئیلؑ نے مجھے پکڑ کر تین مرتبہ اس زور سے دبوچا کہ میرے جسم کی طاقت سلب ہوگئی اور پھر کہا اقرأ باسم ربک الذی خلق (پڑھو اُس رب کے نام سے جس نے پیدا کیا)۔ میں نے پڑھ دیا۔"

(تاریخ طبری جلد ۱، الوفا باحوال المصطفی لابن جوزی)

بعض علمائے اسلام کے مطابق جبرائیلؑ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھنے کا کہہ کر اتنا زور سے دبوچنا کہ اُنہیں محسوس ہوا کہ اُن کے جسم کی طاقت سلب ہوگئی، دراصل یہ بتانے کے لیے تھا کہ علم، جسمانی مشقت اور تحمل سے حاصل ہوتا ہے۔

ہمارے عظیم علماء اور آئمہ کی مائیں اِس نکتے کو بخوبی سمجھتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام مالک کو مدرسے بھیجتے ہوئے اُن کی والدہ امام مالک کو نصیحت کیا کرتی تھیں:

خُذْ مِنْ حِلْمِهٖ قَبْلَ عِلْمِهٖ

"یعنی اپنے استاد امام ربیعہ سے علم حاصل کرنے سے پہلے تم اُن کا حلم اور صبر سیکھنا۔"

یہ علم کی فطرت ہے کہ یہ مشقت، صبر اور ریاضت (Practice) سے حاصل ہوتا ہے۔ ماہرینِ نفسیات ہمیں بتاتے ہیں کہ جتنی زیادہ ریاضت اور دہرائی (Repetition) کی جائے علم ذہن میں اتنا ہی پکا ہوتا ہے۔ یہ چیز ٹی وی اور انٹرنیٹ جیسے مشینی اساتذہ مہیا کرنے سے قاصر ہیں۔

امریکہ کی ایک خاتون محقق ٹینس میکبتھ ولیمز (Tannis Mac Beth Williams) اپنی کتاب "The Impact of Television" میں بیان کرتی ہیں کہ لاکھوں بچے جو ٹی وی پر علمی پروگرام (مثلاً Sesame Street وغیرہ) دیکھ کر حروفِ تہجی (Alphabets) اور ہندسے (Numbers) سیکھ لیتے ہیں اُن کے لیے یہ مرحلہ بہت پُرلطف (Fun) ہوتا ہے لیکن علم سیکھنے کا اگلا مرحلہ کھیل نہیں بلکہ شدید ریاضت طلب (Requiring Slogging Practice) ہوتا ہے اور یہ پریکٹس ٹی وی سے نہیں آسکتی بلکہ پڑھنے سے آتی ہے۔" (1)

---

1) **Williams, Tannis MacBeth (1986) The Impact of Television: A Natural Experiment in Three Communities. New York, Academic Press.**

مسلمانوں کے زوال کا سبب......ادب کا فقدان

ملائیشیا کے فقید المثال اسلامی مفکر، فلسفی اور ماہر تعلیم سید نقیب العطاس اپنی کتاب "Islam and Secularism" میں بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے زوال کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ آج اُن میں "ادب" کا فقدان ہو گیا ہے۔ "ادب" سے مراد عزت واحترام اور نظم وضبط ہے۔ علم "ادب" کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ قرآن جو تمام علوم کا سرچشمہ ہے۔ اُس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سورہ الواقعہ میں بتا دیا ہے کہ اُس کو طہارت کی "با ادب" حالت میں ہی چھوا جا سکتا ہے۔ (لایمسه الا المطهرون﴿﴾) یہ قرآن سے استفادہ کرنے کا ادب ہے۔ یہ ادب احترام اور عاجزی کے بغیر ناممکن ہے۔

اُستاد انسان کو دین کے علم کے ساتھ ساتھ ادب اور انسانیت بھی سکھاتا ہے۔ امام مالک کے شاگرد رشید عبداللہ بن وہب نے ایک مرتبہ فرمایا تھا: "میں نے امام مالک کی خدمت میں ۲۰ سال گزارے۔ میں نے پہلے ایک سال میں اُن سے تمام علم سیکھ لیا اور بقیہ ۱۹ سال اُن سے ادب سیکھتا رہا۔ (بحوالہ حیات امام مالک۔ ابوزہرہ مصری) تعلیم کا اصل مقصد ہی "تادیب" ہوتا ہے۔ "تادیب" کے عربی زبان میں دو مطلب ہیں: (۱) ادب سکھانا (۲) زبان سکھانا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ادب اور زبان (Language) دونوں چیزیں ایک انسانی استاد ہی سکھا سکتا ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے۔

الہ دین اور جادو کا چراغ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحیح حدیث میں فرمایا:

خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ.

(بخاری۔ مسلم)

’’سب سے بہترین لوگ میرے زمانہ کے ہیں (یعنی صحابہ) پھر اُس کے بعد کے زمانے کے (یعنی تابعین) اور پھر اُس کے بعد کے زمانے کے (یعنی تبع تابعین)۔‘‘

یہ دین اسلام ہمیں صحابہ کرام اور عظیم اماموں کی وساطت سے ملا ہے۔ سید نقیب العطاس اپنی کتاب "Islam and Secularism" میں لکھتے ہیں:

’’اسلام کے عظیم علماء کے مقام کو سمجھے بغیر اور ان سے رہنمائی حاصل کیے بغیر یہ ناممکن ہے کہ ہم اسلام کو صحیح طور پر سمجھ سکیں۔ آج کے دور کی مغربی تہذیب سے مرعوب مسلمان علماء اور کرائے کے حکومتی علماء الہ دین کے دور کے جادوگر کی طرح اسلام کی نئی تشریح کی صورت میں ہمیں نئے چراغ پیش کر رہے ہیں۔ ہمیں الہ دین کی بیوی کی طرح کی حماقت نہیں کرنی چاہیے جس نے پرانے جادو کے چراغ (Magic Lamp) کی اہمیت اور غیر معمولی خصوصیات کو نہیں سمجھا اور نئے چراغوں کے بدلے میں اسے بیچ ڈالا۔‘‘ (1)

یہ سب کچھ اسی بات کا نتیجہ ہے کہ اُن میں ادب ختم ہوتا جارہا ہے۔ انہیں کیبل یا ڈش ٹی وی پر جو شخص بھی آ کر اسلام کی نت نئی تشریحات پیش کرتا ہے وہ اُسی کو اسلام سمجھ بیٹھتے ہیں حالانکہ اُن چکنی چپڑی اسلامی تعلیمات کی جدید تعبیروں کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ تو امریکہ کے تھنک ٹینک اداروں کا ایجنڈا اور پڑھایا ہوا سبق ہوتا ہے جو یہ روشن خیال اور ماڈرنسٹ ’’اسلامی علماء‘‘ ایک آنکھ والے دجال یعنی ٹی وی، ڈش، کیبل، انٹرنیٹ کی مدد سے مسلمانوں کو اسلامی علم کے نام پر پڑھاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمان شریعت کے معاملے میں جتنا پیچھے جائیں، بہتر ہے۔

---

1) Naquib al-Attas, Syed Muhammad (2002) Islam and Secularism. Delhi, Islamic Book Service.

کیونکہ شریعت کے معاملے میں "Old is Gold" کا محاورہ صادق آتا ہے۔ عبدالقادر عودہ شہیدؒ نے اپنی کتاب ''اسلام کا فوجداری قانون'' (لاہور مطبوعہ ۱۹۹۱ء) میں بہت دلچسپ بات کہی ہے:

''بلاشبہ جدید شے قدیم سے بہتر ہوتی ہے مگر اُس وقت جب کہ جدید بھی انسانوں کی بنائی ہوئی ہو اور قدیم بھی انسانوں ہی کی ایجاد ہو۔ مگر کوئی بھی جدید شے کسی حال میں بھی اس قدیم کے مقام و مرتبے کو نہیں پہنچ سکتی، جس قدیم کو اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے بنایا ہو۔'' (1)

علوم اسلامی کے اساتذہ کی اہمیت

یہ دین اسلام علماء کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے، مشینوں سے نہیں بلکہ ہر قسم کا علم مکمل طور پر صرف ایک انسانی استاد سے ہی حاصل ہوسکتا ہے۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ کا فرمان ہے: ''اگر تمہیں علم کی تلاش ہے تو اُسے کسی کے ہونٹوں سے حاصل کرو، اس طرح تمہیں منتخب علم حاصل ہوگا۔'' (بحوالہ: تاریخ تعلیم و تربیت)

جو لوگ علماء کے گستاخ ہوتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔ جیسا کہ مشہور محاورہ ہے: ''با ادب بانصیب، بے ادب بے نصیب۔'' علماء، اساتذہ اور معلمین علم کی ترویج و تبلیغ کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ اُن کی قدر و منزلت کا اندازہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے لگایا جاسکتا ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةِ الْاَنْبِیَاء ، اِنَّ الْاَنْبِیَاءَ لَمْ یُورِثُوا دِینَاراً

---

1) عبدالقادر عودہ شہیدؒ ''اسلام کا فوجداری قانون''، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور ۱۹۹۱ء

وَلا دِرْهَماً، اِنَّمَا وُرِثُوا الْعِلْمَ، فَمَن أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ. (سنن ترمذی۔ابوداؤد۔ابن ماجہ) (1)

''علماء انبیاء کے وارث ہوتے ہیں۔ انبیاء لوگ اپنے ورثے میں درھم اور دینار نہیں چھوڑا کرتے بلکہ وہ وراثت میں علم چھوڑتے ہیں۔ پس جس نے مذہبی علم حاصل کرلیا اُس نے بہت بڑی بھلائی حاصل کرلی۔''

مذہبی اُستاد، صرف استاد ہی نہیں ہوتا بلکہ ایک مربی (سرپرست) بھی ہوتا ہے۔ عربی کا مقولہ ہے:

لَوْلا مُرَبّی لاعَرَفْتِ رَبّی.

''اگر میرا استاد نہ ہوتا تو میں اپنے رب کو نہ پہچان سکتا۔''

ایک سچا مسلمان استاد انسان کا تزکیہ نفس کرتا ہے۔ وہ اُسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق سکھاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دین اسلام کا علم غیر مسلم مستشرقین (orientalists) کی کتابیں پڑھ کر یا اُن کی شاگردی سے حاصل نہیں ہوتا کیونکہ

---

1) اِس حدیث کو امام ابن حبان نے اپنی صحیح ابن حبان میں اور امام احمد بن حنبل نے مُسند احمد میں حضرت ابو درداء سے روایت کیا ہے اور یہ حدیث ہر سند سے حسن درجے کی ہے۔اِس حدیث میں داؤد بن جمیل نامی راوی مجہول ہے (اُس کے حالاتِ زندگی محفوظ نہیں) اور اُس کا اُستاد کثیر بن قیس ضعیف ہے لیکن اِس حدیث کے حق میں مضبوط شواہد موجود ہیں۔ علاوہ ازیں، اِس حدیث کو حافظ ابن حجر، اُنکے شاگرد امام سخاوی، علامہ ابن القیم اور عصرِ حاضر کے محدث شیخ ناصرالدین الالبانی (رحمہم اللہ أجمعین) نے حسن کا درجہ دیا ہے۔

اُن کے پاس عشق رسول کی دولت نہیں ہوتی۔ایسے ہی غیر مسلم اساتذہ کے متعلق پنجابی شاعر میاں محمد بخش نے فرمایا تھا:

قدر پھلاں دی گدھ کی جانے مردے کھاون والی
قدر پھلاں دی بلبل جانے صاف دماغاں والی

قدر نبیؐ دی ایہہ کی جانن دنیا دار کمینے
قدر نبیؐ دی جانن والے سوں گئے وِچ مدینے

تاریخ اسلامی سے چند درخشاں مثالیں

تاریخ اسلامی گواہ ہے کہ مسلمان اساتذہ کو اسلامی معاشرے میں ہمیشہ قدر ومنزلت حاصل رہی ہے۔یہاں اس مضمون کے اختتام پر تاریخ اسلامی سے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں: امام ابوحنیفہ کو اپنے استاد امام حماد سے اس قدر محبت تھی کہ آپ امام حماد کے گھر جا کر ان کے گھر کے کام کاج کرتے۔چکی پیستے، گھر کا سودا سلف بازار سے لا کر دیتے۔گھر میں امام حماد کے مہمانوں کی خاطر مدارت کرتے۔اسی لیے ایک مرتبہ امام حماد کو ایک ماہ کے لیے کہیں دور دراز کا سفر کرنا پڑا اور واپس گھر لوٹے تو ان کے بچوں نے اُن سے پوچھا کہ آپ کو ہم بیٹوں میں سے سب سے زیادہ کون یاد آیا؟ اس پر امام حماد نے فرمایا کہ "سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے تم لوگوں کی بجائے ابوحنیفہ سب سے زیادہ یاد آیا۔" امام ابوحنیفہ نے استاد کے احترام میں امام حماد کی زندگی میں منصب افتا نہیں سنبھالا۔

امام مالکؒ جب نوجوان لڑکے تھے اور علم حدیث سیکھ رہے تھے تو آپ امام نافعؒ (جو صحابی رسولؐ عبداللہ بن عمرؓ کے غلام اور عظیم شاگرد تھے) کے گھر کے سامنے گرمیوں کی

تپتی دوپہر کو درخت کے نیچے سو جایا کرتے جب کہ آپ کا جسم پسینے سے شرابور ہوتا تھا۔ یہ اس لیے کرتے تا کہ جب امام نافعؒ عصر کی نماز کے لیے نکلیں تو راستے میں اُن سے چند احادیث اور فقہی مسائل پوچھ لیں ورنہ مسجد میں تو امام مالک جیسے کم عمر نوجوان کے لیے امام نافع جیسے شخص تک رسائی آسان نہ تھی۔ دوپہر کو جب امام مالکؒ کی بہن کھڑکی سے امام مالک کو اس حالت میں دیکھتی تو اس کا دل پریشان ہو جاتا لیکن امام مالک کے والد اس کو تسلی دیتے ہوئے کہتے کہ فکر نہ کرو، مالک اسلامی علوم کے لیے یہ تکالیف برداشت کر رہا ہے۔ اُسے اِس مشقت کا عظیم اجر ملے گا۔

سپین کے قاضی یحیٰی بن یحیٰیؒ وہ شخص تھے جنھوں نے مسلمانوں کے دورِ حکومت میں پورے اسلامی سپین میں امام مالکؒ کی فقہ کو عام کیا۔ طالب علمی کے دور میں جب وہ مدینہ آ کر امام مالکؒ سے علم حدیث اور فقہ حاصل کر رہے تھے تو ایک مرتبہ مدینہ میں ہاتھی لایا گیا۔ طالب علموں کی خواہش پر امام مالک نے سب طالب علموں کو اجازت دے دی کہ وہ جا کر گلی میں ہاتھی کو دیکھ کر آئیں۔ شاگرد چلے گئے سوائے ایک شاگرد یحیٰی بن یحیٰی کے۔ جب امام مالکؒ نے اُن سے پوچھا کہ وہ کیوں ہاتھی دیکھنے نہیں گئے تو یحیٰی بن یحیٰی نے جواب دیا:

انما جئت من بلدی، لأنظر الیک، وأتعلم من هدیک و علمک، لا الٰی أن أنظر الیٰ الفیل

''میں اپنے ملک (سپین) سے مدینہ تک کا سفر کر کے اس لئے آیا ہوں کہ آپ کو دیکھوں اور آپ سے علم حدیث سیکھوں۔ میں یہاں ہاتھی دیکھنے نہیں آیا۔''

شاہ اسماعیل شہیدؒ اپنے مرشد سید احمد شہید بریلویؒ کی اس قدر عزت کرتے تھے کہ ایک مرتبہ سید احمد شہیدؒ نے انہیں کسی کام سے دوسرے قصبے میں اپنا ذاتی گھوڑا دے کر بھیجا۔

شاہ اسماعیل شہیدؒ نے پورا راستہ پیدل طے کیا۔ واپسی پر جب سید احمد شہید کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے ایسا کرنے کی وجہ پوچھی تو شاہ اسماعیل شہید فرمانے لگے: ''جس گھوڑے کی پیٹھ پر میرا اُستاد سوار ہوتا ہے مجھے یہ گوارا نہ ہوا کہ میں اس گھوڑے پر سواری کروں۔''

علامہ اقبالؒ کو اپنے اساتذہ کا بے حد احترام تھا۔ ایک بار اپنے استاد شمس العلماء مولوی میر حسن کو سیالکوٹ کے بازار سے گزرتے دیکھا۔ آپ پر استاد کے ادب کا اس قدر غلبہ تھا کہ جوتے پہننے کا خیال بھی نہ رہا، بے ساختہ ننگے پاؤں استاد کے ساتھ چل پڑے یہاں تک کہ استاد گرامی کا گھر آ گیا۔

سلطان باہوؒ کو اپنے استاد اور مرشد سے اتنی محبت تھی کہ اپنے عارفانہ کلام میں جابجا اپنے مرشد کا ذکر کیا ہے:

الف اللہ چنبے دی بوٹی میرے من وچ مرشد لائی ھو
جیوے مرشد کامل باہو جیں ایہہ بوٹی لائی ھو

مولانا رومؒ کا شجرۂ نسب سات واسطوں سے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے جا ملتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اولاد میں سے ہونے کے علاوہ مولانا رومؒ اپنے وقت میں قرآن، حدیث، فقہ، اور فلسفہ کے ایک متبحر عالم بھی تھے۔ اُس کے باوجود تزکیہ اور روحانی علوم کے حصول کے لیے اپنے وقت کے عظیم ولی اللہ مولانا شمس تبریزؒ سے اکتسابِ فیض کیا اور ایسا کیا کہ شاگردی کا حق ادا کر دیا۔ ایک روایت ہے کہ شمس تبریزؒ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ اُن کے سینے میں اللہ تعالیٰ کے عشق کی جو آگ ہے، انہیں کوئی ایسا باکمال شاگرد مل جائے جس کے سینے میں وہ عشقِ الٰہی کی آگ منتقل کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی دعا قبول فرمائی اور انہیں مولانا رومؒ جیسا شاگرد عطا فرمایا۔ اپنے استاد شمس تبریز کے متعلق مولانا

رومیؒ نے ایک مرتبہ درج ذیل اشعار بیان فرمائے:

ہیچ چیزے خود بخود چیزے نہ شد
ہیچ آہن خود بخود تیغے نہ شد

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزی نہ شد

(کوئی چیز بھی خود بخود چیز نہیں بن جاتی
کہ لوہا خود بخود تلوار نہیں بن جاتا

اسی طرح مولوی ہرگز مولائے روم نہ بنتا
اگر وہ شمس تبریزؒ کی غلامی اختیار نہ کرتا۔)

یہ تمام تاریخی مثالیں ہمیں بتاتی ہیں کہ علمائے اسلام کا مقام کیا ہے اور اُن کی شاگردی اختیار کیے بغیر ہم خود بخود عظیم نہیں بن سکتے۔ ہمیں سائنسی علوم بھی حاصل کرنے چاہئیں لیکن اسلام کا صحیح علم اور روح ہمیں علماء کے سامنے گھٹنے ٹیک کر ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ بقول اقبال:

؎ تمنا درد دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

تم اِسے بیگانہ رکھو عالمِ کردار سے
تا بساطِ زندگی میں اِس کے سب مہرے ہوں مات

ہر نفس ڈرتا ہوں اِس اُمت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتساب کائنات

مست رکھو ذکر و فکرِ صبح گاہی میں اِسے
پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اِسے

(ابلیس کی مجلسِ شوریٰ: اقبال)

شیطانی حربے......
اسلام اور علم نفسیات کی روشنی میں

''اصل میں شیطان تو تمہارا دشمن ہے، پس اسے دشمن ہی سمجھو۔'' (سورہ فاطر: ٦)

قرآن کے مطابق شیطان بنی نوع انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے۔انسان کے خلاف شیطان کے حربے نہایت منظم ہوتے ہیں۔تاکہ وہ بنی آدم کو تباہ و برباد کرڈالے۔ شیطان کو اللہ تعالیٰ نے اتنی طاقت نہیں بخشی کہ وہ انسان کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی اُس سے گناہ کروالے۔ البتہ شیطان کو وسوسہ ڈالنے کی طاقت دی گئی ہے:

الَّذِیۡ یُوَسۡوِسُ فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ ۙ﴿﴾ (سورہ الناس)

ترجمہ: ''وہ (شیطان) انسانوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔''

اگر انسان کا دل روحانی طور پر مضبوط ہوگا تو شیطان کا وسوسہ کمزور رہوگا جبکہ اگر انسان کا دل بیمار ہوگا تو شیطان کی وسوسہ اندازی کامیاب اور کارگر ہوگی۔

شیطان، انسانوں کی نفسیات سے بخوبی واقف ہے کیونکہ اُس کے پاس ہزاروں سال کا جمع شدہ (Collective) تجربہ موجود ہے۔اُس کے برعکس انسانوں کی

اکثریت شیطان کی نفسیات اور اُس کے حربوں کو نہیں سمجھتی ۔ ابلیس کے متعلق ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ اُس کے ہتھکنڈوں میں تخلیقی جدت (Originality) نہیں پائی جاتی۔ وہ بار بار اپنے قدیمی حربے انسان پر استعمال کرتا ہے اور انسان کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر اُسے اللہ کی نافرمانی پر اُبھارتا ہے۔ مریم جمیلہ اپنی کتاب "The Generation Gap: Its Causes & Consequences"(مطبوعہ لاہور،۱۹۸۱ء) میں انسانی فطرت کے متعلق رقمطراز ہیں:

''انسان کے رجحانات، اُس کی حیاتیاتی اور نفسیاتی ضروریات، اس کی جسمانی اور ذہنی قابلیتیں، اُس کے برائی کی طرف میلانات اور اس کی اخلاقی اور روحانی اقدار کی ابدی تلاش جو اُسے جانوروں سے ممتاز کرتی ہے، اُن سب چیزوں میں ''انسانِ اول'' (یعنی آدمؑ) کے ظہور سے لے کر اب تک کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔''

اِس مضمون میں شیطان کے انسانوں کے خلاف حربوں کا اسلام اور جدید علم نفسیات کی روشنی میں تجزیہ کیا جائے گا:

ہرانسان کے ساتھ ایک شیطان

حدیث نبویؐ میں آیا ہے: ''جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے۔'' (بخاری)

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ اِس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ رمضان میں شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے سوائے ایک قسم کے شیطان کے اور وہ ہے قرین۔ یہ شیطان ہر انسان کے ساتھ ہوتا ہے اور چوبیس گھنٹے اور ہفتے کے ساتوں دن اپنی ڈیوٹی سرانجام دیتا ہے۔ اس شیطان کا بزنس کبھی ماند نہیں پڑتا۔ ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے۔

صرف اللہ کے نبی اس سے محفوظ ہوتے ہیں کیونکہ انبیاء اور رسولوں کی زندگیوں میں اللہ نے انسانیت کے لیے ہدایت رکھی ہے۔(شرح صحیح مسلم از امام نووی)

ایک رات کو حضرت عائشہؓ کے ہاں قیام کے دوران رسول کریمؐ باہر تشریف لے گئے۔حضرت عائشہؓ کے دل میں رشک کے جذبات پیدا ہوئے کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی دوسری بیوی کے پاس تشریف نہ لے گئے ہوں۔جب حضورؐ واپس تشریف لائے اور عائشہؓ کو غصے میں پایا تو اُن سے فرمایا:''اے عائشہ! کیا تمہارا شیطان تم پر حاوی ہو گیا تھا؟'' عائشہؓ نے آپؐ سے سوال کیا:''یا رسولؐ اللہ! کیا ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے؟''حضورؐ نے فرمایا:''جی ہاں'' عائشہؓ نے فرمایا:''اور آپؐ کے ساتھ بھی؟'' حضورؐ نے جواب دیا:''ہاں البتہ اللہ نے میری مدد فرمائی اور میں نے اُسے مسلمان کر لیا ہے۔''(صحیح مسلم)

اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:''آج کی شب ایک سرکش جن (شیطان) میری ایذا رسانی کے لیے چھوٹ نکلا تا کہ کسی طرح میری نماز قطع کرا دے مگر اللہ نے اُس پر مجھ کو قدرت عنایت فرما دی اور میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ اُس کو مسجد کے ستونوں میں سے کسی ستون کے ساتھ باندھ دوں تا کہ صبح تم سب اُس کو دیکھ لو لیکن پھر مجھے اپنے بھائی سلیمان علیہ السلام کی دعا یاد آ گئی ''پروردگار مجھے ایسی بادشاہت عنایت فرما جو میرے بعد کسی اور کو زیبا نہ ہو۔''چنانچہ حضورؐ نے اُسے چھوڑ دیا۔''(بخاری)

شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ لکھتے ہیں کہ شیطان چونکہ یہ جانتا تھا کہ حضورؐ کے قلب مبارک میں وہ وسوسہ اندازی سے تو عاجز ہے اس لیے اُس نے یہ کوشش کی کہ کسی صورت آپؐ کی نماز میں ہی خلل انداز ہو جائے لیکن اللہ کے حکم سے وہ اُس پر بھی قادر نہ ہو سکا، اور نا کام واپس لوٹا۔'' (1)

---

1) شیخ عبدالوہاب شعرانی ''الیواقیت والجواہر'' دار الکتب العلمیہ بیروت۔ 1998ء۔

شیطان کی انسان کے خون میں گردش

قرآن میں اللہ نے ابلیس کے متعلق فرمایا ہے:

إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴾ (سورہ یٰسین:۶۰)

ترجمہ: ''بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔''

اور دوسری جگہ اللہ نے ہمیں اِن الفاظ میں تنبیہ (warning) دی:

إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا ﴾ (سورہ فاطر:۶)

''درحقیقت شیطان تمہارا دشمن ہے اِس لیے تم بھی اُسے اپنا دشمن ہی سمجھو۔''

یہ دلچسپ بات ہے کہ شیطان باغی تو اللہ کا ہے لیکن وہ اپنا دشمن انسان کو سمجھتا ہے۔ دراصل ابلیس اچھی طرح جانتا ہے کہ وہ اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ مزید برآں، وہ اپنے جنت سے نکلنے کا موردِ الزام انسان کو ٹھہراتا ہے۔

ابلیس انسان کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ شیطان کے لیے یہ طریقہ واردات آسان اس لیے ہے کیونکہ وہ انسان کے جسم میں خون کی طرح گردش کر سکتا ہے جیسا کہ علی بن الحسین سے روایت کردہ حدیث میں حضورؐ نے فرمایا:

اِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ الْإِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ .

''شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح گردش کرتا ہے۔'' (صحیح بخاری)

یہاں یہ بات بھی نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ لوگ عام طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ انسانی جسم میں خون کی گردش کی دریافت کا سہرا برطانوی سائنسدان ولیم ہاروے (William Harvey) کے سر ہے جس نے اپنی کتاب:

"On the Motion of Heart and Blood in Animals"

میں یہ دریافت بیان کی۔ لیکن حقیقت میں رسول کریمؐ نے ولیم ہاروے سے کئی سو سال پہلے حدیث میں ہمیں بتا دیا تھا کہ شیطان بھی ہمارے جسم میں اُسی طرح گردش کرتا ہے جس طرح خون گردش کرتا ہے!

انسان پر حملہ آور ہونے کے لیے شیطان کے تین دروازے

انسان کی شخصیت میں داخل ہونے کے لیے شیطان کو کسی کھلے دروازے کی ضرورت ہوتی ہے تا کہ وہ آدمی کو اپنے جال میں پھنسا سکے۔ ایک مرتبہ شیطان اُس کھلے دروازے سے داخل ہو جائے تو پھر وہ بڑی مہارت کے ساتھ شخصیت انسانی کے قلعے کو مسمار کرنا شروع کرتا ہے بالکل اُسی طرح جس طرح کسی وائرس (virus) یا بیکٹیریا (bacteria) کو انسان کے اندر داخل ہونے کے لئے کسی راستے یا کھلے زخم (open wound) کی ضرورت ہوتی ہے۔ انسان پر حملہ آور ہونے کے لیے شیطان درج ذیل تین دروازے استعمال کرتا ہے:

1) غصہ

غصہ ایک ایسا جذبہ ہے جو آدمی کو اپنے دفاع کے لیے ودیعت کیا گیا ہے لیکن اگر اس کو قابو میں نہ رکھا جائے تو انتہائی تباہ کن صفت ثابت ہوتا ہے۔ رسول کریمؐ نے ایک حدیث میں فرمایا:

اِنَّ الْغَضَبَ مِنَ الشَّیْطَانِ وَاِنَّ الشَّیْطَانَ خُلِقَ مِنَ النَّارِ وَاِنَّمَا تُطْفِیءُ النَّارَ بِالْمَآءِ فَاِذَا غَضِبَ اَحَدُکُمْ فَلْیَتَوَضَّا .(سنن ابوداؤد)

"غصہ شیطان کی طرف سے ہے اور شیطان کی تخلیق آگ سے ہوئی ہے۔آگ کو پانی سے بجھاتے ہیں پس تم میں سے کوئی غصے کی حالت میں ہو تو وہ وضو کر لے۔" (1)

اگر ہم آگ کی خصوصیات پر غور کریں تو ہم دیکھیں گے کہ آگ اپنی فطرت میں بے ہنگم (Chaotic) ہوتی ہے اور بڑی آسانی سے کنٹرول سے باہر ہو جاتی ہے۔ جونہی آگ کنٹرول سے باہر نکلے، وہ تباہی پھیلانا شروع کر دیتی ہے۔آگ کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ اوپر کی طرف اٹھتی ہے جبکہ خاک کی یہ صفت ہے کہ وہ نیچے کی طرف کھنچتی ہے (چنانچہ انسان کی خوبی عاجزی اختیار کرنے میں ہے)۔ اِس لیے جب کوئی شخص غصے میں آئے تو شیطان اُس کی انا (Ego) کو بھڑکا کر اُس کے غصے کو ایندھن فراہم کر دیتا ہے۔

شیطان انسانوں پر کنٹرول حاصل کرنے کے لیے غصے کے دروازے کو استعمال کرتا ہے۔ جب بندے کو غصہ چڑھ جائے تو پھر اُس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ماؤف ہو جاتی ہیں۔شدید جذبات کی وجہ سے اُس کے دماغ کے سوچنے کا حصہ عارضی طور پر ناکارہ ہو جاتا ہے اور غصے کی حالت میں وہ شخص ناسمجھی اور گناہ کے کام کر بیٹھتا ہے۔امریکہ کی کولمبیا

---

1) اِس حدیث کو امام بخاری نے اپنی التاریخ الکبیر میں، امام احمد بن حنبل نے مُسند احمد (نمبر 226/4) میں اور امام بغوی نے شرح السنۃ (نمبر 3583) میں بھی روایت کیا ہے۔ شیخ ناصر الدین الالبانی کے مطابق یہ حدیث ضعیف ہے (الضعیفۃ 582) کیونکہ اِس حدیث میں دو راوی عروہ بن محمد اور اُن کے والد مجہول ہیں لیکن اِس حدیث کے بارے میں الحافظ العراقی نے "تخریج الاحیاء" (151,145/3) اور ابن حجر عسقلانی نے "الفتح الباری" (384/10) میں سکوت اختیار کیا ہے جس کا مطلب ہے کہ اُن کے مطابق یہ حدیث صحیح یا حسن ہے۔

یونیورسٹی کے محقق سائیکالوجسٹ ڈاکٹر ڈینئیل گولمین (Dr. Daniel Goleman) اپنی کتاب "Emotional Intelligence" میں لکھتے ہیں کہ چونکہ غصہ ایک انتہائی شدید جذباتی محرک ہوتا ہے اِس لئے جب ایک شخص غصے کی حالت میں ہوتا ہے تو اُس کا دماغ جذباتی ہائی جیک (Emotional Hijacking of Brain) کا شکار ہو جاتا ہے۔ ایسے موقع پر دماغ کے جذباتی حصے (Emotional Centers) انسانی دماغ کو اُچک کر لے جاتے ہیں اور دماغ کے غور اور تجزیہ کرنے کے حصوں (analytical centers of brain) کو کام کرنے کا ابھی موقع ہی نہیں ملا ہوتا۔ دراصل دماغ کے جذباتی حصے بالخصوص (Amygdala) دماغ کے سوچنے سمجھنے والے حصوں کے مقابلے میں نہایت تیزی سے کام کرتے ہیں۔ (1)

غصے کی حالت میں انسان کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ماؤف ہو جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شیطان ایک غصے کی حالت میں انسان سے جلد بازی کے ساتھ کوئی حماقت کروا بیٹھتا ہے جس کا پچھتاوا ساری عمر انسان کو رہتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے:

اَلتَّأَنِّیْ مِنَ اللهِ وَ الْعَجَلَةُ مِنَ الشَّیْطَان. (2)

(بیہقی فی سنن الکبری 104/10 . مسند ابو یعلٰی 1054/3)

(معاملات میں احتیاط اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔)

---

(1) Goleman, Daniel (1995) Emotional Intelligence. New York, Bantam Books.

(2) اِس حدیث کو شیخ البانی نے صحیح الجامع میں حسن کا درجہ دیا ہے اور امام ھیثمی نے مجمع الزوائد میں لکھا ہے کہ اِس حدیث کے تمام راوی معتبر (رجال الصحیح) ہیں۔

2) خواہشات

انسان کا مادۂ ترکیب دو چیزوں سے ہے: (i) خاک، اور (ii) روح۔ انسانی جسم کے اجزائے ترکیبی اس دنیا سے مہیا ہوئے ہیں جبکہ اُس کے جسم میں روح ایک فرشتہ اللہ کے اذن سے پھونکتا ہے۔ اس لیے انسانوں کے اندر دو طرح کی فطرتیں (Dualistic Nature) پائی جاتی ہیں۔ انسان کے حیوانی وجود یعنی جسم کی خواہشات وہی ہوتی ہیں جو کہ دیگر حیوانوں کی ہوتی ہیں جبکہ انسانی روح کی خواہش آسمانی ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے عبادت کی خواہش یا کسی ہستی کو اپنا پروردگار بنانے کی خواہش دراصل روح کی طلب ہوتی ہے جبکہ کھانا، پینا، رہائش وغیرہ جسمانی خواہشات ہیں۔ مادی اشیاء کی محبت کا جذبہ انسان میں ایک نہایت قوی محرک ہے بالخصوص جبکہ مادی اشیاء محسوس کی جا سکتی ہیں۔ اسی لیے ابلیس انسان پر حملہ آور ہونے کے لیے مادی خواہشات کا دروازہ استعمال کرتا ہے۔ دنیاوی وجسمانی خواہشات انسان کی عمر کے مختلف ادوار میں بدلتی رہتی ہیں اور شیطان اس چیز کا خاص طور پر خیال رکھتا ہے۔ مثلاً شیطان یہ اچھی طرح جانتا ہے کہ نوجوان غیر شادی شدہ نوجوانوں کی دلچسپی کا سامان موسیقی، مخلوط محفلوں اور دوستوں یاروں کے ساتھ وقت ضائع کرنے میں رکھا ہوتا ہے۔ اس لیے نوجوانوں پر شیطان انہی چیزوں کا جھانسا دے کر حملہ آور ہوتا ہے۔

لڑکیاں جب بلوغت کے دور میں پہنچتی ہیں تو جسم میں جنسی ہارمونز کی زیادتی کی وجہ سے وہ ڈپریشن کا شکار ہو جاتی ہیں اس لیے ایسے دور میں شیطان انہیں کلاسیکل موسیقی میں سکون ملنے کی جھوٹی اُمید دلاتا ہے۔ اِس کے برعکس لڑکے جب بلوغت کے دور میں قدم رکھتے ہیں تو اُن کے جسم میں ٹیسٹوسٹیرون (Testosterone) ایک جنسی ہارمون کی ۲۵ گنا زیادتی کی وجہ سے اُن کی طبیعت میں بے چینی اور جنگجو پن (Aggression) کی طرف میلان بڑھ جاتا ہے جس کی وجہ سے شیطان انہیں پاپ میوزک (Pop Music) اور بُرے دوستوں کی محفلوں کی طرف آسانی سے

مائل کر لیتا ہے۔

جب شادی کے بعد گھر بار بسا کر لوگوں کی طبیعتوں میں ذرا ٹھہراؤ آ جائے تو شیطان لوگوں کی دوسری کمزوری سے فائدہ اٹھاتا ہے اور وہ کمزوری ہے معاشرے میں اپنا معیار زندگی (Level of Living) بلند کرنے کی کبھی نہ ختم ہونے والی دوڑ۔ جب مرد اور عورتیں اپنا معیار زندگی (Standard of Life) اونچے سے اونچا تر کرنے کی جدوجہد شروع کرتے ہیں تو پھر یہ دوڑ قبر پر جا کر منتج ہوتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ ﴿﴾ حَتَّى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ﴿﴾ (سورہ التکاثر)

''تم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اور ایک دوسرے سے بڑھ کر دنیا حاصل کرنے کی دُھن نے غفلت میں ڈال رکھا ہے۔ یہاں تک کہ اسی فکر میں تم قبر تک پہنچ جاتے ہو۔''

3) غفلت

انسان پر قابو پانے کے لیے جو تیسرا دروازہ شیطان استعمال کرتا ہے وہ سستی، کاہلی اور عمل کرنے میں تاخیر ہے۔ اِس میں شک نہیں کہ انسان کی طبیعت کا میلان آرام طلبی کی طرف ہوتا ہے۔ اُس پر مستزاد یہ کہ انسان بھلکڑ واقع ہوا ہے۔ مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے عربی کے لفظ ''انسان'' کے متعلق فرمایا تھا:

اِنَّمَا سُمِّیَ الْاِنْسَانُ اِنْسَانًا لِاَنَّهٗ عُهِدَ اِلَيْهِ فَنَسِیَ. (1)

''انسان کو انسان اس لیے کہا جاتا ہے کہ اُس نے اللہ سے بندگی کا عہد کیا لیکن پھر وہ بھول گیا۔''

---

1) تفسیر ابی حاتم ، الرد علی الجهمية لابن منده، الطبرانی فی الصغیر

عربی زبان میں ''نسی ینسی'' سے مراد بھول جانا ہوتا ہے۔ اسی سے لفظ ''نسیان'' (بھولنے کی بیماری) نکلا ہے۔ پس انسان آسانی سے اپنی موت سے غافل ہو جاتا ہے۔ اسی غفلت کی طرف قرآن میں اشارہ کیا گیا ہے۔

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ﴾ (سورہ الانبیاء: آیت ۱)

ترجمہ: ''قریب آ گیا ہے لوگوں کے حساب کا وقت اور وہ ہیں کہ غفلت میں منہ موڑے ہوئے ہیں۔''

قرآن کی زبان میں غفلت سے مراد انسان کا اپنی اُخروی فلاح سے غافل ہونا ہے۔ لوگ عام طور پر موت کے متعلق سوچنا بھی پسند نہیں کرتے بالخصوص جوانی کی موت۔ لیڈی ڈیانا (Princess Diana) اور مادر ٹیریسا (Mother Teresa) کی وفات ایک ہی دن ہوئی لیکن لوگوں کو حیرانگی مادر ٹیریسا کی وفات پر نہیں تھی کیونکہ وہ بوڑھی ہو چکی تھی۔ عوام کے لیے تعجب کی بات لیڈی ڈیانا کی جوانی میں موت تھی حتیٰ کہ لوگ یہ کہتے ہوئے پائے گئے "She was too young to die" (وہ تو بہت جلدی مر گئی۔) لوگ یہ بھول گئے کہ ملک الموت جب روح قبض کرنے کے لیے آتا ہے تو انسان سے اُس کی عمر نہیں پوچھتا۔ امریکی ماہر نفسیات ڈاکٹر ارنسٹ بیکر (Dr. Ernest Becker) نے اپنی پیولٹزر انعام یافتہ کتاب "The Denial of Death" (مطبوعہ نیویارک ۱۹۹۷ء) میں بیان کیا ہے کہ اس دنیا میں تمام جانداروں میں انسان ایک ایسی مخلوق ہے جسے قدرت نے اتنی ذہنی صلاحیت بخشی ہے کہ وہ اپنے آخری انجام یعنی موت کے متعلق غور وفکر کر سکتا ہے۔ انسانی ذہن کی رسائی اِس کائنات کی لامتناہی وسعتوں تک ہوتی ہے لیکن اُس کا جسم ایسا ہے کہ بالآخر اُس نے فنا ہونا ہے جسے قبر کے کیڑے کھاتے ہیں۔ انسانی نفسیات کی گہرائیوں میں جاتے ہوئے ڈاکٹر بیکر بیان کرتے ہیں کہ انسانوں کی اکثریت سچائی کے سامنے ہوتے ہوئے بھی تمام عمر جھوٹ کے خول میں

گزار دیتے ہیں یعنی بچپن سے ہی اکثر لوگ اس احساس کو کہ ہم نے بالآخر مرنا ہے، ہر ممکن طریقے سے دباتے ہیں۔دنیا کے تمام معاشروں میں ہیرو پرستی (Hero Worship) کا تصور دراصل علامتی طور پر اس بات کا احساس دلاتا ہے کہ ہم لافانی ہیں۔

شیطان انسان کو موت سے غافل کرتا ہے۔اُسے اس چیز پر ابھارتا ہے کہ وہ ٹی وی اور ڈش کے سامنے بیٹھ کر ریموٹ کنٹرول پر چینل بدلتا رہے حتیٰ کہ اُس کی اپنی زندگی کا چینل موت کا فرشتہ آ کر بدل دے۔کمپیوٹر پر بیٹھ کر لایعنی گپ شپ (Chatting) کر کے اور عریانی دیکھ کر اپنی قبر کو گناہوں سے بھاری کرے۔ یوٹیوب (Youtube) پر فلموں اور گانوں کے خاکے دیکھتا ہوا ایسا غافل ہو کہ نہ نماز کی پروا ہے اور نہ دنیا کی۔ایسے ہی لوگوں کے متعلق علیؓ بن ابی طالب نے فرمایا تھا:

اَلنَّاسَ نِيَامٌ فَاِذَا مَاتُوْا اِنْتَبَهُوْا

''لوگ غفلت میں سو رہے ہوتے ہیں اور جب وہ مرتے ہیں تو وہ جاگ اُٹھتے ہیں۔''

انسان پر حملہ آور ہونے کے لیے شیطان کی حکمت عملی

ابلیس بنی آدم کے خلاف مختلف حکمت عملیاں استعمال کرتا ہے بلکہ فی الحقیقت شیطان ایک یا دو نہیں بلکہ بہت سے منصوبوں کے ساتھ انسان کے اچھے اعمال کا ستیاناس کرتا ہے۔وہ جانتا ہے کہ آدمی کو کیسے شکست دی جا سکتی ہے۔دراصل فطرت انسانی میں چند کمزوریاں پائی جاتی ہیں۔جن کا ذکر قرآن میں ہوا ہے:

خُلِقَ الْاِنسَانُ مِنْ عَجَلٍ ﴿ (سورہ الانبیاء:۳۷)

ترجمہ: ''انسان جلد باز مخلوق ہے۔''

اِنَّ الْاِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعاً ﴿ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعاً ﴿ وَاِذَا

مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعاً ﴾ (سورہ المعارج:۲۱۔۱۹)

ترجمہ: ''انسان تھڑ دلا پیدا کیا گیا ہے۔جب اُس پر مصیبت آتی ہے تو گھبرا اُٹھتا ہے اور جب اُسے خوشحالی نصیب ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے۔''

وَأُحْضِرَتِ الأَنفُسُ الشُّحَّ ﴾ (سورہ النساء:۱۲۸)

ترجمہ: ''نفس تنگدلی کی طرف جلدی مائل ہو جاتے ہیں۔''

كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ ﴾ وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ﴾

(سورہ القیامۃ: ۲۱،۲۰)

ترجمہ: ''ہرگز نہیں،اصل بات یہ ہے کہ تم لوگ جلدی حاصل ہونے والی چیز (یعنی دنیا) سے محبت رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو۔''

چونکہ انسان فطرتاً جلد باز اور کوتاہ نظر واقع ہوا ہے اس لیے شیطان کا انسان پر پہلا وار یہ ہوتا ہے کہ وہ اُس سے شرک کروا دیتا ہے یعنی خدا کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرانا۔ بقول اقبالؒ:

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

شیطان اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ انسان جو کچھ اس کی محدود نگاہ دیکھتی ہے اُس پر فوراً ایمان لے آتا ہے جیسا کہ انگریزی کا محاورہ ہے "Seeing is Believing" انسان اپنی ظاہر بینی اور زُود اعتقادی کی وجہ سے کبھی قبروں پر اپنا ایمان بیچ آتا ہے اور کبھی حکومت کے ایوانوں میں۔کبھی اپنا معیار زندگی بلند کرنے کی دوڑ میں پیسے

کو اپنا الٰہ بنا بیٹھتا ہے اور نماز روزے تک سے غافل ہو جاتا ہے اور کبھی ایک آنکھ والے دجال یعنی ٹی وی، کیبل، ڈش اور انٹرنیٹ چیٹنگ میں گم ہو کر اپنی زندگی کے اصل مقصد کو بھول جاتا ہے۔حدیث میں آتا ہے:

تَعِسَ عَبْدُالدِّیْنَارِ وَ عَبْدُالدِّرْهَمِ . (صحیح بخاری، کتاب الجہاد)

''ہلاک ہوا دینار کا غلام، ہلاک ہوا درہم کا بندہ۔''

اور انسان رسول کریمؐ کی اُس عظیم تنبیہہ کو بھول جاتا ہے جو کہ ابن عباسؓ نے حدیث میں روایت کی ہے:

نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِیْهِمَا كَثِیْرٌ مِنَ النَّاسِ اَلْصِحَّةُ وَالْفَرَاغ.
(صحیح بخاری، ترمذی، نسائی)

''دو نعمتیں ایسی ہیں جن کی اکثر لوگ قدر نہیں کرتے۔
(۱)صحت (۲) فارغ وقت۔''

ذیل میں بنی نوع انسان پر حملہ آور ہونے کے لیے شیطان کے مختلف طریقہ ہائے واردات بیان کیے جاتے ہیں:

1) نظر کا دھوکہ...... شیطان کا ایک زہریلا تیر

ابلیس انسان کے اندر آنکھوں کے راستے بڑی آسانی سے داخل ہو جاتا ہے۔وہ کسی بھی چیز کو اپنی حیثیت سے زیادہ خوشنما بنا کر انسان کے دل میں اُس چیز کی محبت کا صنم بنا دیتا ہے۔شیطان جھوٹے وعدے کر کے، جذبات کی آگ کو انگیخت کر کے اُس میں خدا

کی نافرمانی کی حرکات کی ترغیب دیتا ہے جو اُس آگ کے لیے ایندھن کا کام دیتے ہیں۔ جس نے ممنوع چیز کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا ہی نہ ہو وہ کبھی اس نافرمانی کے مرحلے تک نہیں پہنچتا۔ پس جو شخص اپنی نگاہوں کی حفاظت نہیں کرتا وہ خدا کی نافرمانی کے مرحلے تک نہیں پہنچتا۔ پس جو شخص اپنی نگاہوں کی حفاظت نہیں کرتا وہ خدا کی نافرمانی کی چیز کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور وہ حرام تصور اُس کے دل پر پتھر کے نقش کی طرح ہو جاتا ہے۔ مسند احمد میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضورؐ نے صحابہ کرام سے فرمایا: ''نگاہ شیطان کا زہریلا تیر ہے۔ جو کوئی بھی اپنی نگاہ کو اللہ کی خاطر نیچا کرے گا، اللہ اُس پر ایمان کی ایسی حلاوت نصیب فرمائے گا جو وہ شخص قیامت کے روز اپنے دل میں محسوس کرے گا۔'' (مسند احمد بن حنبل)

یہ شیطان کا پرانا طریقہء واردات ہے کہ وہ دنیا کی گندگی کو انسانوں کی نگاہوں میں خوشنما بنا کر دکھاتا ہے جیسا کہ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿ (سورہ الانعام:۴۳)

ترجمہ: ''اور شیطان نے خوشنما بنا دیئے اُن کے لیے وہ کام جو یہ کرتے تھے۔''

وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ ﴿ (سورہ الانفال:۴۸)

ترجمہ: ''اور یاد کرو وہ وقت جب کہ شیطان نے اُن لوگوں کے کرتوت اُن کی نگاہوں میں خوشنما بنا کر دکھائے تھے۔''

فائن آرٹ (Fine Arts) کے علم میں ایک اصطلاح استعمال کی جاتی ہے "Seduction" جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ کسی کو بہلا پھسلا کر اپنے فرض یا پاکدامنی یا نیکی کے راستے سے بہکا دینا۔ یہ کام شیطان میڈیا کی مدد سے نہایت خوبصورتی

کے ساتھ سرانجام دیتا ہے۔شیطان، بنی آدم کی عقل پر پہلے پردہ ڈالتا ہےاور پھراُس پر حملہ آور ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ جوچیز بھی انسان کی عقل پر عارضی یا مستقل طور پر پردہ ڈالتی ہےوہ اسلام نےحرام قرار دی ہے۔مثلاً شراب، دیگرمنشیات، پاپ میوزک وغیرہ سب عقل کو ماؤف کردیتے ہیں اور پھراُس نازک صورتحال سے ابلیس بھرپور فائدہ اٹھاتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ آج پرنٹ میڈیا، ٹی وی، فلم، موسیقی کےنت نئے آلات، کمپیوٹر وغیرہ کی ایجاد کی وجہ سے شیطان کے لیے انسان کو بہکانے کا کام نہایت آسان ہوگیا ہے۔اس کے ساتھ نگاہوں کوحرام تصاویر سے بچانا بھی نہایت مشکل ہوگیا ہے۔

آجکل کے میڈیا کی طاقت حیران کن ہے۔حیران وششدر کردینے والے نظارے، اعلیٰ آواز کا سسٹم، تیزی سے حرکت کرنے والے عکس (Fast-Moving Images) وغیرہ ہراُس شخص کوجس کی نگاہیں اُس کی طرف اٹھتی ہیں مسحور کردیتے ہیں۔آجکل کے میڈیا کا مقصد لوگوں کوخبریں پہنچانا نہیں بلکہ اُنہیں اپنے سحر میں گرفتار کرکے گناہ اور نافرمانی کی زندگی کا عادی بنانا ہوتا ہے۔ہالی وڈ کے کیمرے اس چیز کی صلاحیت رکھتے ہیں کہ وہ ایک ڈیڑھ فٹ سائز کے کنگ کانگ کوکیمرے کی مدد سے ایک عظیم بلا کی صورت میں دکھاتے ہیں جو عمارتوں پر چڑھ رہی ہوتی ہے یا دومنزلہ عمارت کو "X-Files" نامی فلم میں ایک ۲۲ منزلہ عمارت کی صورت دکھاتے ہیں یا تمام ٹائی ٹینک فلم کے دوران کمپیوٹر کے مخصوص اثرات (Special Effects) کی مدد سے پانی کی لہریں پیدا کرکے چھوٹی سی کشتی کوایک عظیم سمندر میں دکھا کرلوگوں کوبیوقوف بناتے ہیں اور اُن کی جیبوں سے نہ صرف پیسہ بٹورتے ہیں بلکہ اُن کا وقت اوراخلاق بھی ضائع کردیتے ہیں۔

آج کے دور میں بل بورڈز (Bill Boards) ، فلموں، فلمی رسائل کے اشتہارات اورانٹرنیٹ بینرز (Internet banners) پرشیاطینِ انس حرام

اور بے حیا مناظر لوگوں کو دکھاتے ہیں۔ ایسے حیا سوز مناظر اور تصاویر سے اپنی نظر کی حفاظت بہت ضروری ہے ورنہ اُن کے زہر آلود اثرات انسانی دل کو تباہ کر دیتے ہیں بلکہ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے الفاظ میں یہ ''آتشیں آئینے'' انسان کے ایمان کو جلا کر راکھ کر ڈالتے ہیں۔

2) انسان کو گناہ کی طرف آہستہ آہستہ دعوت

قرآن ہمیں شیطان کی نفسیات سے آگاہ کرتا ہے کہ کس طرح وہ انسان کو مکارانہ طریقے سے گمراہ کرتا ہے۔ ہمیں قرآن حکم دیتا ہے کہ ہم شیطان کے نقش قدم (خطوت الشیطن) پر نہ چلیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِيْ السِّلْمِ كَآفَّةً وَلا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿ (سورہ البقرہ:۲۰۸)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! تم پورے کے پورے اسلام میں آ جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔''

یہاں پر یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ آخر قرآن نے شیطان کے ''نقش قدم'' کا ذکر کیوں کیا ہے؟ آخر شیطان کے نقش قدم کیا ہیں؟ شیطان کے نقش قدم برائی کی طرف آہستہ آہستہ جانے کا دوسرا نام ہیں اور یہ جہنم کی طرف یک طرفہ ٹکٹ (One way ticket) کی طرح ہوتے ہیں۔ جب انسان شیطان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے برائی کی طرف آہستہ آہستہ بڑھتا ہے تو وہ اُسے گناہ کے قعر مذلت میں گرا کر چھوڑتا ہے۔ شیطان بنی آدم کی نفسیات سے بخوبی واقف ہے کہ جب سوسائٹی میں لوگوں کو برائی سے بتدریج سابقہ پیش آتا ہے تو آہستہ آہستہ اُن کی اخلاقی حس کمزور

ہوتی چلی جاتی ہے۔ شیطان یہی تدریج کا طریقہ (desensitize) اختیار کرکے بنی آدم کے اندر سے شرم وحیا (Step-by-Step Approach) کا احساس مٹا دیتا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں بہت سی جگہوں پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ وَمَن يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ﴾

(سورہ النور: آیت ۲۱)

ترجمہ: ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ اُس کی پیروی جو کوئی کرے گا تو وہ اُسے فحش اور بدی ہی کا حکم دے گا۔''

اسی طرح سورہ الاعراف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا بَنِي آدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ كَمَا أَخْرَجَ أَبَوَيْكُم مِّنَ الْجَنَّةِ يَنزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْءَاتِهِمَا إِنَّهُ يَرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ﴾ (سورہ الاعراف: آیت ۲۷)

''اے بنی آدم، ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں پھر اُسی طرح فتنے میں مبتلا کردے جس طرح اُس نے تمہارے والدین کو جنت سے نکلوایا تھا اور اُن کے لباس اُن پر سے اُتروا دیئے تھے تاکہ اُن کے جسم کے قابل شرم حصے ایک دوسرے کے سامنے کھولے۔ وہ اور اُس کے ساتھی تمہیں ایسی جگہ سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔''

عصر حاضر کے مسلمان ماہر نفسیات ڈاکٹر مالک بدری اپنی کتاب "AIDS Crisis: An Islamic Socio-Cultural Perspective" (مطبوعہ

کوالالمپور، ۱۹۹۷ء) میں لکھتے ہیں کہ مغربی سوسائٹی میں جنسی بے راہ روی کے اعمال پہ بتدریج خوبصورت اصطلاحات کا غلاف چڑھا کر عوام کی اخلاقی حس کو آہستہ آہستہ ناکارہ (Desensitize) کیا گیا۔ مثلاً بدکاری کے لیے "Adultery" یا "Fornication" کی اصطلاح استعمال کی جاتی تھی۔ دونوں اصطلاحیں اپنے اندر رندہبی لب ولہجہ رکھتی تھیں اور لوگوں کو گناہ سے نفرت دلا سکتی تھیں۔ اس لیے ان کی جگہ "Promiscuity" (آزادانہ میل جول) کی اصطلاح کو تدریجاً عام کیا گیا۔ پھر آہستہ آہستہ جب سوسائٹی کی اخلاقی حس مزید کمزور ہوئی تو "extramarital relations" (شادی کے علاوہ تعلقات) کی دلفریب اصطلاح کو سوسائٹی میں مقبول کیا گیا۔ اسی طرح ہم جنس پرستوں کے لیے "Gay" (شاداں وفرحاں) کے لفظ کو عام کیا گیا تاکہ لوگوں کے دلوں میں اس فعل بد کے لیے "Alternate Life style" کی اصطلاح کو رواج دیا گیا تاکہ لوگ اس فعل سے نفرت کرنا چھوڑ دیں۔ پاکستان کے میڈیا پر بھی اسی اصول کے تحت شیاطین جن وانس پاکستانی عوام کی اخلاقی حس کو تدریجاً ختم کرنے میں مصروف کار ہیں۔

شیطان آواز کے ذریعے بھی انسانوں کو آہستہ آہستہ برائی پر آمادہ کرتا ہے۔ قرآن کے مطابق جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو جنت سے نکلنے کا حکم دیا تو اُس سے کہا:

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِکَ وَأَجْلِبْ عَلَيْهِم بِخَيْلِکَ وَرَجِلِکَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ وَعِدْهُمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا ﴿ (سورہ بنی اسرائیل:۶۴)

ترجمہ: ''تو جس جس کو اپنی آواز سے پھسلا سکتا ہے پھسلا لے، اُن پر اپنے سوار اور پیادے چڑھالا، مال اور اولاد میں ان کے ساتھ ساجھا لگا، اور اُن کو وعدوں

کے جال میں پھانس ......اور شیطان کے وعدے ایک دھوکے کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔"

اِس آیت کی تفسیر میں گو کہ عبداللہ بن عباسؓ کے مطابق "شیطان کی آواز" سے مراد برائی کی طرف ہر قسم کی دعوت ہے لیکن تابعین میں مجاہدؒ، حسن بصریؒ اور ضحاکؒ کے مطابق شیطان کے آواز سے پھسلانے سے مراد موسیقی اور گانا بجانا ہے۔ضحاک کے مطابق اِس سے مراد آلاتِ موسیقی (طبلہ، ڈھول، باجا، بانسری وغیرہ) ہیں۔

(تفسیر جامع البیان فی تاویل آیات القرآن۔امام طبری، مطبوعہ بیروت)

یہ ایک حقیقت ہے کہ جب لوگ ایسی موسیقی اور گانے سنتے ہیں جن میں کبھی ڈھکے چھپے اور کبھی واضح الفاظ میں بے حیائی کی طرف ابھارا جاتا ہے تو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کا شرم و حیا اور اخلاق کے متعلق نظریہ زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ان کی شرم و حیا والی "فطرۃ" جس پر انہیں تخلیق کیا گیا تھا وہ تباہ ہو جاتی ہے۔اُن میں یہ صلاحیت نہیں رہتی کہ وہ عفت و پاکدامنی اور بے حیائی کے درمیان امتیاز کر سکیں۔

مغرب میں ایسی سائنسی تحقیقات ہوئی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ موسیقی اور گانا بجانا سننے سے سامعین کی حق و باطل میں تمیز کرنے کی صلاحیت متاثر بلکہ مفلوج ہو سکتی ہے۔ مثلاً امریکہ کے عمرانی سائنسدان Greeson اور Williams نے ایک ریسرچ کی، جو کہ "Youth Society" نامی رسالے کے ۱۹۸۶ء کے شمارے میں شائع ہوئی۔ انہوں نے ساتویں اور دسویں جماعت کے طالب علموں کو ایک گھنٹے تک میوزک ٹی وی (MTV) پر میوزک ویڈیوز دکھائے اور دوسرے گروپ کو ایسی کوئی چیز نہیں دکھائی جو کہ کنٹرول گروپ (Control Group) تھا۔اس تحقیق میں گریسن اور ولیمز نے یہ دیکھا کہ نوجوانوں کے جس گروپ نے میوزک ویڈیوز دیکھی تھیں اُن کی رائے "Premarital Sex" (زنا کاری) کے حق میں ہو گئی جبکہ کنٹرول گروپ جس نے

میوزک ویڈیوز نہیں دیکھی تھیں، کی رائے اس کے خلاف تھی۔ پس موسیقی اور گانا بجانا سننے کی وجہ سے سامعین کا اخلاقی اقدار کے متعلق نظریہ بدل گیا۔

اسی طرح ایک دوسری ریسرچ رحمٰن (Rehman) اور رائلے (Reilly) نامی دو سائنسدانوں نے کی جو "Pennsylvania Speech Communication" کے ۱۹۸۵ء کے شمارے میں چھپی۔ اس تحقیقی پیپر کا عنوان تھا: "Music Videos" A New Dimension of televised violence" (موسیقی کے ویڈیو پروگرامز...... تشدد کی ایک نئی جہت) اس تحقیق کا خلاصہ یہ تھا کہ جب تجربے میں شامل لوگوں (Subjects) کو ایسی میوزک ویڈیوز دکھائی گئیں جن میں تشدد تھا (بشمول جنسی تشدد) تو اس کے بعد ان لوگوں کے انٹرویوز سے پتہ چلا کہ ایسی میوزک ویڈیوز دیکھنے کے فوراً بعد باہر کی حقیقی دنیا میں ہونے والے تشدد کے معاملے میں وہ لوگ بڑی حد تک بے حس (Desensitized) محسوس کر رہے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ موسیقی (جو کہ دراصل علمائے اسلام کے مطابق ''شیطان کی اذان'' ہے) کے ذریعے شیطان بڑی آہستگی سے اُس کے سننے والوں کی اخلاقی حس اور شرم وحیا کو بے حس بناتا ہے۔ امریکہ کے سابق نائب صدر ایل گور (Al Gore) کی اہلیہ ٹپر گور (Tipper Gore) جو کہ ایک سماجی مصلح اور مفکرہ ہیں اپنی کتاب "Raising PG Kids in an X-rated society" میں رقمطراز ہیں کہ موسیقی سننے کی وجہ سے امریکہ کی نوجوان نسل میں آہستہ آہستہ اخلاقی زوال آیا ہے اور نوعمر حمل (Teenage Pregnancies) کی شرح میں اضافے کا باعث ہوا ہے۔ مثلاً امریکی گلوکار ایروسمتھ کا گانا "Love in an Elevator" میں اسی قسم کی فحاشی کا واضح درس دیا گیا ہے۔(1)

دراصل گانے کے بول انگلش میں ہوں یا اردو میں یا ہندی یا عربی میں، تمام

---

1) Gore, Tipper (1987) Raising PG Kids in an X-Rated Society, New York, Bantam Books.

زبانوں میں گانوں میں اسی طرح کی اخلاقی آوارگی کا درس دیا جاتا ہے کیونکہ شیطان کی یہ ازلی خواہش ہے کہ بنی آدم کے جسم سے شرم وحیا کا لباس اتروادے جیسا کہ سورۃ الاعراف میں بیان ہوا ہے۔

3) انسانوں کو دھوکہ دینے میں شیطان کا مثالی صبر

علامہ ابن القیم الجوزیہ ؒ فرماتے ہیں کہ شیطان کی سب سے خطرناک صفت اُس کا بے مثال صبر اور انتظار کرنے کی صلاحیت ہے۔ کبھی وہ ایک بندے کو بہکانے کے لیے کئی سال انتظار کرتا ہے حتیٰ کہ مناسب موقع پا کر وہ بندے کے نیک اعمال کو غارت کر دیتا ہے۔ شیطان اپنے شکار یعنی انسان پر ہر سمت سے حملہ آور ہوتا ہے بغیر ناامید ہوئے۔ جونہی بندہ اللہ کی یاد سے غافل ہوتا ہے شیطان اُس پر حملہ آور ہو جاتا ہے۔ یہ دلچسپ بات ہے کہ ایک حدیث کے مطابق دجال جو اس دنیا میں شیطنت کا سب سے بڑا مادی ظہور (Material Manifestation) ہوگا وہ اُس دور میں ظاہر ہوگا جب لوگ اس کے متعلق سب سے زیادہ غافل ہوں گے:

لایخرج الدجال حتٰی یذھل الناس عن ذکرہ ، و حتٰی تترک الائمۃ ذکرہ علی المنابر (مسند احمد) (1)

''دجال اُس وقت ظاہر ہوگا جب لوگ اُس سے غافل نہ ہو جائیں گے اور جب مسجدوں کے امام اور علماء منبر پر اُس کا ذکر کرنا چھوڑ دیں گے۔''

---

1) حافظ ابن حجر نے اِس حدیث کو تھذیب التھذیب میں ابن السکن کی سند سے روایت کیا ہے اور ابن السکن کی یہ رائے لکھی ہے: "ھذا حدیث صالح الاسناد" (اِس حدیث کے راویوں کی کڑی بالکل صحیح ہے۔) امام الزرقانی نے بھی شرح مؤطا امام مالک میں اِس حدیث کی سند کو راشد بن سعد کے حوالے سے صالح الاسناد کہا ہے۔

قرآن میں شیطان کی انسان پر حملہ آور ہونے کے معاملے میں مستقل مزاجی اور استقامت کے متعلق بیان ہوا ہے:

قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ﴿﴾ ثُمَّ لَآتِيَنَّهُم مِّن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَن شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ ﴿﴾ (سورہ اعراف ۱۶-۱۷)

ترجمہ: ''(شیطان نے خدا سے کہا) اچھا تو جس طرح تو نے مجھے گمراہی میں مبتلا کیا ہے میں بھی اب تیری سیدھی راہ پر ان انسانوں کی گھات میں لگا رہوں گا، آگے اور پیچھے، دائیں اور بائیں، ہر طرف سے ان کو گھیروں گا اور تو اُن میں اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا۔''

مسند احمد اور سنن دارمی میں بیان کی گئی ایک صحیح حدیث کے مطابق ایک مرتبہ حضورؐ نے مٹی میں ایک سیدھی لائن کھینچی اور پھر اُس میں سے بہت سی چھوٹی لائنیں نکالیں جو دائیں اور بائیں جانب جا رہی تھیں۔ پھر حضورؐ نے صحابہ کرام کو بتایا کہ یہ سیدھی لائن دراصل اللہ کی طرف جاتی ہے اور باقی تمام لائنیں جو دائیں اور بائیں جانب جا رہی ہیں ان میں سے ہر ایک کے سرے پر ایک شیطان بیٹھا برائی کی طرف دعوت دے رہا ہوتا ہے۔ پس سیدھا راستہ صرف ایک ہے اور یہی صراط مستقیم ہے۔ شیطان کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ بندہ سیدھے راستے سے انحراف کر کے باطل سے سمجھوتہ کر لے اور اُسی انجام سے دوچار ہو جس سے بالآخر شیطان دوچار ہوگا۔ قرآن میں جہاں بھی تاریکی کا ذکر ہوا ہے اس کے لیے عام طور پر جمع کا صیغہ ''ظلمات'' استعمال ہوا ہے جب کہ روشنی کے لیے واحد کا صیغہ ''نور'' استعمال ہوا ہے۔ مثلاً:

اللهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوا أَوْلِيَآؤُهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ ﴿ (سورہ البقرہ: آیت ۲۵۷)

''جو لوگ ایمان لاتے ہیں ان کا حامی و مددگار اللہ ہے اور وہ اللہ تاریکیوں سے روشنی میں نکال لاتا ہے۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا اُن کا دوست طاغوت (شیطان) ہے جو انھیں روشنی سے تاریکیوں میں لیکر جاتا ہے۔''

قرآن ہمیں یہ درس دیتا ہے کہ حق کا راستہ ایک ہی ہے چاہے لوگوں کی اکثریت اُس کا اتباع نہ کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ قلت یا کثرت حق کا معیار ہے بھی نہیں۔ اگر کوئی کام لوگوں کی اکثریت کر رہی ہے تو یہ چیز اُسے جائز نہیں بنا دیتی۔ درحقیقت اللہ نے اپنے تمام انبیاء و رسل اس دنیا میں اس وقت بھیجے جب انسانوں کی اکثریت گمراہی میں مبتلا تھی اور برائی لوگوں کو اچھائی نظر آتی تھی۔ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِن تُطِعْ أَكْثَرَ مَن فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿ (سورہ الانعام: ۱۱۶)

''اگر تم اُن لوگوں کی اکثریت کے کہنے پر چلو جو زمین میں بستے ہیں تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے۔ وہ تو محض گمان پر چلتے اور قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔''

4) شیطان کی مضبوطی نہیں بلکہ انسان کی کمزوریاں

اگر ہم شیطان کے منصوبوں پر غور کریں تو ہم دیکھیں گے کہ انسان اپنی ہی کمزوریوں کی وجہ سے شیطان سے مار کھا جاتا ہے۔ جب بھی انسان کسی کمزوری کا مظاہرہ کرتا ہے تو اس کا حریف یعنی شیطان وہ موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ اپنی جلد باز طبیعت

اور کوتاہ بینی کی وجہ سے انسان اپنی آخرت کو بھول جاتا ہے اور حال میں مست ہو جاتا ہے۔ اپنی آرام طلب اور عافیت پسند طبیعت کی وجہ سے شیطان انسان کو نیکی کے کاموں کو ٹالنے پر آمادہ کر لیتا ہے۔ مثلاً رسول اللہؐ نے فرمایا: ''جب انسان رات کو سوتا ہے تو شیطان اُس کے سر کے پیچھے تین گرہیں لگا دیتا ہے۔ وہ انسان کو کہتا ہے ''رات بہت لمبی ہے، ابھی سوتے رہو۔'' اگر بندہ (فجر کے وقت) بیدار ہو جائے اور اللہ کو یاد کرے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے۔ پھر اگر بندہ اٹھ کر وضو کر لے تو شیطان کی دوسری گرہ اس پر سے کھل جاتی ہے۔ جب وہ نماز شروع کرتا ہے تو شیطان کی تیسری گرہ کھل جاتی ہے۔ پھر وہ شخص پورے دن ہشاش بشاش رہتا ہے۔ وگرنہ دوسری صورت میں وہ سست اور بیزار اُٹھتا ہے۔ (صحیح بخاری)

انسان کی ایک اور کمزوری اُس کا بہت جلد غلط فہمی کا شکار ہو جانا ہے۔ انسانی دماغ میں تاویلیں (Rationalizations) پیش کرنے کی بے پناہ صلاحیت موجود ہے جس کی وجہ سے انسان حقیقت پا لینے کے باوجود دماغ سے تاویلیں بناتا ہے اور پھر اُنہی تاویلوں کے سراب (Self- Delusion) کا شکار ہو جاتا ہے۔ امریکہ کی نیویارک یونیورسٹی کے ماہر نفسیات ڈاکٹر ڈینیل کولمین (Daniel Goleman) اپنی کتاب: "Vital Lies, Simple Truths: The Psychology of Self- Deception" میں لکھتے ہیں کہ پریشانی اور فکر (Anxiety) سے بچنے کے لیے انسانی ذہن میں حقائق سے آنکھیں پھیرنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے تا کہ ذہن پر خطرناک حد تک بوجھ نہ پڑے۔ اگر اس صلاحیت کو غلط استعمال کیا جائے تو اس کا نقصان (Blind Spot) یہ ہوتا ہے کہ انسان حقائق سے روگردانی اور خودفریبی (Self Deception) کا شکار ہو سکتا ہے۔ اسی وجہ سے لوگ اکثر اوقات حق کو جانتے ہوئے قبول نہیں کرتے کیونکہ ڈاکٹر ڈینیل کول مین کے مطابق انسانی دماغ جو عام طور پر ایک ذہین چھلنی (Intelligent Filter) کی طرح کام کرتا ہے لیکن کبھی وہ پرانی جمع

شدہ معلومات کے آئینے میں نئی معلومات کو جانچتا ہے اور اگر وہ پرانی معلومات کے مطابق نہ ہوں تو انسان انہیں قبول نہیں کرتا۔ (1)

انسانی ذہن کی اسی خصوصیت کی طرف قرآن میں کئی جگہ ارشاد کیا گیا ہے۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے لوگوں سے پوچھا کہ وہ کیوں ان بتوں کی پوجا کرتے ہیں جو نہ انہیں نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان تو قوم ابراہیم کا جواب تھا:

قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَ نَا كَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ ﴿ (سورہ الشعراء:۷۴)

انہوں نے جواب دیا: ''نہیں، بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے پایا ہے۔''

شیطان کو انسان کی اس نفسیاتی کمزوری کا بخوبی علم ہے اس لیے وہ انسان کو حق کی تلاش سے روکے رکھتا ہے۔ انسان کی اس تقلید جامد کی کمزوری میں اُس کی سہل پسند طبیعت کو بھی بہت دخل ہے۔ علامہ ابن جوزیؒ اپنی بے مثال کتاب تلبیس ابلیس (مطبوعہ ملتان ۱۹۹۱ء) میں لکھتے ہیں:

''ابلیس گنہگار انسان کو توبہ کے لیے ٹالتا ہے اور اس کو شہوات حاصل کرنے میں جلدی کراتا ہے اور توبہ کر لینے کی آرزو دلاتا ہے۔ بہت سے لوگ ہیں جنہوں نے نیکی کا ارادہ کیا۔ شیطان نے اُن کو ٹال دیا اور بہت سے وہ ہیں جنہوں نے مقام فضیلت پر پہنچنے کی کوشش کی، شیطان نے اُن کو دوسری طرف لگا دیا...... کسی بزرگ نے کہا ہے کہ میں تم کو لفظ ''عنقریب'' سے ڈراتا ہوں کیونکہ یہی لفظ شیطان کا بڑا لشکر ہے (یعنی نیکی کے کاموں کو ٹالنا نہیں چاہیے کہ عنقریب میں یہ کام کروں گا) نیکی کے کام میں جلدی کرنے والے دوراندیش اور آج کا کام کل پر چھوڑنے والے کاہل انسان، اِن دونوں کی مثال ایسی ہے جیسے کچھ لوگ سفر میں گئے اور ایک گاؤں میں داخل ہوئے۔

---

1) Goleman, Daniel (1996) Vital Lies, Simple Truths : The Psychology of Self- Deception. New York, Simon & Schuster.

دوراندیش آدمی گیا اور سفر کے لیے جو ضروری چیزیں تھیں وہاں سے خریدلیں اور کوچ کرنے کے لیے تیار ہو بیٹھا۔ نیکی کے کام میں سستی کرنے والے نے دل میں کہا کہ عنقریب تیار ہو جاؤں گا، کیونکہ اکثر ہم نے ایک ایک مہینہ قیام کیا ہے۔ اتنے میں ایک دم کوچ کا نقارہ بج گیا۔ دوراندیش نے فوراً اپنی گٹھڑی سنبھالی اور کوتاہی کرنے والا افسوس اور رشک کرتا رہا۔ اسی طرح جب ملک الموت آ جائے گا تو پہلے شخص کو کچھ ندامت نہ ہوگی اور دوسرا جس نے آئندہ پر کام اُٹھا رکھا اور (''عنقریب'' کا) دھوکہ کھایا، موت کے وقت نادم ہو کر شوروغل مچائے گا۔'' (تلبیس ابلیس) (1)

یہی بات اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یوں بیان فرمائی:

وَأَنفِقُوا مِن مَّا رَزَقْنَاكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَى أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُن مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴿ (سورہ المنافقون: ۱۰)

''جو رزق ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ جائے اور اس وقت وہ کہے، اے میرے رب کیوں نہ تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت اور دے دی کہ میں صدقہ دیتا اور صالح لوگوں میں شامل ہو جاتا۔''

تاریخ کا سبق

تاریخ ہمیں بہت کچھ سکھاتی ہے۔ علامہ اقبالؒ کے بقول تاریخ کی حیثیت کسی قوم کی یادداشت کی طرح ہوتی ہے۔ ہسپانوی نژاد امریکی فلسفی جارج سنتایانا (George Santayana) کا تاریخ سے سبق سیکھنے کے متعلق مشہور مقولہ ہے:

1) علامہ ابن جوزیؒ ''تلبیس ابلیس''، کتب خانہ مجیدیہ، ملتان ۱۹۹۱ء

"Those who do not remember the past are condemned to repeat it."

''جو لوگ تاریخ سے سبق نہیں سیکھتے، انہیں تاریخ اپنے آپ کو دُہرا کر سبق سکھاتی ہے۔''

یہاں پر ہم تاریخ سے چند واقعات بیان کرتے ہیں تاکہ ہمیں شیطان کی نفسیات اور حربے سمجھنے میں مدد مل سکے۔

شیطان کا ایک عابد کو تہجد کے وقت جگانا

ایک مرتبہ آدھی رات کے وقت ایک عابد کو شیطان انسانی صورت میں جگانے کے لیے آیا اور کہا کہ وہ اُٹھ کر تہجد کی نماز ادا کر لے۔ اُس عابد نے اُس شخص کا ہاتھ پکڑ لیا اور پوچھا کہ تم کون ہو تو اُسے جواب ملا کہ میں شیطان ہوں۔ عابد حیران ہوا کہ شیطان اور مجھے تہجد کی نماز کے لیے جگانے آیا ہے؟ عابد کے اصرار پر شیطان نے اُسے بتایا: ''کل میں نے تمہاری تہجد کی نماز ضائع کروا دی تھی جس کی وجہ سے تم پورے دن اللہ کے ہاں تہجد کی نماز نکل جانے کی وجہ سے روتے رہے اور استغفار کرتے رہے جس کی وجہ سے اللہ کے ہاں تمہیں تہجد کی نماز سے بھی کہیں زیادہ اجر ملا۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہیں زیادہ ثواب ملے اس لیے میں نے تمہیں آج خود آ کر جگا دیا۔'' اِس کہانی سے شیطان کی نفسیات کا پتہ چلتا ہے کہ وہ کس طرح جب کسی بندے سے برائی نہ کروا سکے تو پھر کم از کم یہ کوشش کرتا ہے کہ وہ بندہ دو نیکیوں سے بڑی نیکی نہ کرے بلکہ چھوٹی نیکی کرے۔ اس سے شیطان کے انسان کے خلاف بغض وعداوت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

امام احمدؒ بن حنبل کا بستر مرگ پر شیطان سے مکالمہ

امام احمدؒ بن حنبل کے صاحبزادے عبداللہ اپنی کتاب ''زوائد الزھد'' میں روایت

کرتے ہیں کہ جب اُن کے والد بستر مرگ پر تھے تو وہ پسینے میں شرابور تھے۔ اُن پر غشی طاری ہوتی اور جب وہ ہوش میں آتے تو کہتے: ''لابعد، لابعد'' (ابھی نہیں بلکہ بعد میں، ابھی نہیں بلکہ بعد میں) عبداللہ نے اپنے والد سے پوچھا کہ وہ یہ الفاظ کیوں کہہ رہے ہیں۔ امام احمد بن حنبل نے جواب دیا: ''بیٹا! ابھی شیطان میرے بستر کے قریب اپنے دانتوں میں انگلیاں ڈالے کھڑا مجھ سے یہ کہہ رہا تھا: ''افسوس! اے احمد تم میرے جال سے بچ کر نکل گئے!'' امام احمد بن حنبل نے جواب دیا: ''ابھی نہیں بلکہ بعد میں (جب میں مرجاؤں)'' (1)

شیطان دراصل امام احمد بن حنبل کو یہ کہہ کر وہ اس کے چنگل سے نکل گئے اپنی طرف سے غافل کرنا چاہتا تھا لیکن امام احمد شیطان کی چالوں سے مرتے وقت بھی غافل نہ تھے، اس لیے شیطان اُن کے خلاف ناکام رہا۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ عبادت میں

ایک مرتبہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ رات کو عبادت میں مشغول تھے کہ اچانک آسمان پر روشنی نمودار ہوئی اور اُس میں سے آواز آئی: ''اے عبدالقادر! تم نے میری عبادت سے مکمل انصاف کیا ہے۔ اب تم طریقت کے اُس مقام پر پہنچ گئے ہو کہ تم ہر قسم کی عبادت سے معاف ہو۔ اب تمہیں نماز، روزہ حج اور زکوٰۃ ادا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اب تم تصوف کے اعلیٰ ترین مقام پر پہنچ چکے ہو۔ اب تمہارے لیے جنت میں جانے کی گارنٹی ہے۔'' جونہی عبدالقادر جیلانیؒ نے یہ آواز سنی، انہوں نے کہا: ''دفع ہو جا اے مردود شیطان! نماز تو رسول اللہؐ اور اُن کے صحابہ کرامؓ کو بھی معاف نہیں ہوئی۔ مجھے کس طرح معاف ہو سکتی ہے۔'' شیخ کی یہ بات سن کر روشنی غائب ہو گئی اور پھر وہاں پر پہلے سے زیادہ تیز روشنی نمودار ہوئی

---

1) عبداللہ بن احمدؒ بن حنبل، الزوائد علی کتاب الزھد، مطبوعہ مصر

اور اُس میں سے آواز آئی: ''اے عبدالقادر! تمہارے علم نے تمہیں آج میرے حملے سے بچا لیا ورنہ تم سے پہلے میں ستر علماء کو اس حربے سے گمراہ کر چکا ہوں۔ آج تمہارے پاس اتنا زیادہ علم نہ ہوتا تو تم بھی میرے جال میں پھنس کر گمراہ ہو جاتے۔'' شیخ عبدالقادر جیلانی فوراً بولے: ''اے لعین شیطان! تو پھر مجھے دھوکہ دے رہا ہے۔ میرے علم نے نہیں بلکہ اللہ کے فضل نے مجھے آج بچایا ہے۔''

اِس واقعے سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ شیخ پر شیطان کا دوسرا وار پہلے وار سے بھی زیادہ خطرناک تھا۔ دوسرے وار کے ذریعے شیطان شیخ عبدالقادر میں اپنے علم کا تکبر پیدا کر کے انہیں گمراہ کرنا چاہتا تھا لیکن اللہ کی مدد سے شیخ شیطانی حربوں سے محفوظ رہے۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم

مولانا تقی عثمانی اپنی کتاب ''اصلاحی خطبات'' میں (مطبوعہ کراچی، ۱۹۹۳ء) ایک پاکستانی نوجوان کا قصہ بیان کرتے ہیں جس نے ڈاڑھی رکھی ہوئی تھی اور وہ نوکری کی تلاش میں تھا۔ آخرکار اُسے ایک کمپنی نے انٹرویو کی دعوت دی۔ انٹرویو کے دوران کمپنی کے مالک نے اُس نوجوان سے کہا: ''میں تمہیں نوکری دے سکتا ہوں لیکن میری ایک شرط ہے کہ تمہیں اپنی ڈاڑھی صاف کرنی پڑے گی۔ تمہارے پاس سوچنے کے لیے دو دن ہیں۔'' نوجوان شش و پنج میں گھر لوٹا۔ اُس نے پورا دن سوچنے میں گزار دیا۔ پہلے اُسے خیال آیا کہ وہ پسپائی اختیار نہ کرے کیونکہ رزاق تو اللہ تعالیٰ ہے۔ پھر اُس کے دل میں شیطان نے وسوسہ اندازی شروع کی اور اسے کہا کہ آخر حضورؐ کی اور بھی سنتیں ہیں۔ اگر ایک سنت چھوڑ دی تو کیا فرق پڑ جائے گا۔ اصل چیز نوکری ہے، جس طرح بھی ہو وہ حاصل کرنی چاہیے۔ نوکری سے جو پیسے آئیں گے وہ انہیں ''فلاحی کاموں میں'' صرف کرے گا۔ آخرکار نوجوان نے اپنی ڈاڑھی کو کٹوانے کا

فیصلہ کرلیا۔ وہ ڈاڑھی شیو کرکے دوسرے دن کمپنی کے مالک کے پاس پہنچا اور اُس سے کہا: ''اب میں نے اپنی ڈاڑھی صاف کروا دی ہے۔ کیا اب مجھے نوکری مل جائے گی۔'' کمپنی مالک مسکرا کر نوجوان سے مخاطب ہوا:

''میں تمہارا امتحان لے رہا تھا۔ تم اُس ٹیسٹ میں فیل ہوگئے ہو۔ اگر تم اپنے اللہ کی نافرمانی کرسکتے ہو تو پھر نوکری کے دوران اپنی کمپنی کے مالک کی نافرمانی سے تمہیں کون روک سکتا ہے۔ اگر بندہ اپنے سب سے بڑے مالک کے ساتھ مخلص نہیں تو پھر اپنی کمپنی کے مالک کے ساتھ وہ کیسے مخلص ہوسکتا ہے۔ اس لیے میں معذرت چاہتا ہوں کہ تمہیں جاب نہیں دے سکتا۔'' چنانچہ شیطان کے جھانسے میں آ کر اُس نوجوان نے اللہ کی نافرمانی بھی کرڈالی اور اُس کے ہاتھ سے جاب بھی نکل گئی۔

یاد رہے کہ اسی طرح کی صورتحال خواتین کو بھی پیش آسکتی ہے کہ جب وہ کالج کے داخلے کے لیے یا معاشی مجبوریوں کے تحت نوکری کی تلاش میں نکلیں اور اُن کو کالج یا کمپنی کی طرف سے یہ پیش کش ہو کہ اگر وہ پردے کو خیر باد کہہ دیں تو انہیں داخلہ یا ملازمت مل سکتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ اللہ کا امتحان ہو جس میں بالآخر کامیاب وہی رہتا ہے جو اللہ کو راضی رکھتا ہے کیونکہ قرآن کا وعدہ ہے:

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿﴾

(سورہ آلِ عمران:۱۳۹)

''دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو۔ تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔''

شیطان کے حملوں سے کیسے بچا جائے؟

اگر چہ شیطان بہت مکار نظر آتا ہے لیکن فی الحقیقت انسان ہمیشہ اپنی کمزوری کی وجہ سے مار کھاتا ہے۔ قرآن نے خود کہا ہے:

إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفاً ﴾ (سورہ النساء:۷۶)

ترجمہ: ''یقین جانو کہ شیطان کی چالیں حقیقت میں نہایت کمزور ہیں۔''

شیطان اور اُس کے ایجنٹوں کو اللہ کے نیک بندوں پر کوئی اختیار حاصل نہیں جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے:

إِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْغَاوِیْنَ ﴾ (سورہ الحجر:۴۲)

ترجمہ: ''بے شک، جو میرے حقیقی بندے ہیں اُن پر تیرا (شیطان کا) بس نہ چلے گا۔ تیرا بس تو صرف اُن بہکے ہوئے لوگوں ہی پر چلے گا جو تیری پیروی کریں۔''

انس بن مالکؓ ایک حدیث روایت کرتے ہیں کہ جس میں حضورؐ نے فرمایا:

اَلشَّیْطَانُ جَاثِمٌ عَلٰی قَلْبِ ابْنِ آدَمَ فَاِذَا ذَکَرَ اللّٰہَ خَنَسَ وَاِذَا غَفَلَ وَسْوَسَ.

(بخاری، کتاب تفسیر القرآن، سورۃ قل أعوذ برب الناس۔
ترغیب والترھیب، حافظ منذری)

''شیطان اپنے پنجے انسانی دل پر گاڑ دیتا ہے۔ جب بندہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جب بندہ اللہ کی یاد سے غافل ہوتا ہے تو ابلیس اُس کے دل میں وسوسے ڈالنا شروع کر دیتا ہے۔''

شاید یہی وجہ ہے کہ سلطان باہوؒ نے فرمایا تھا:

؎ جو دم غافل او دم کافر مُرشد ایہہ پڑھایا ہو
سُنیا سخن گئی کھل اکھیاں چِت مولا ول لایا ہو

یہی چیز تقویٰ کی روح ہے یعنی انسان کے دل و دماغ پر ہر وقت اللہ کا خوف غالب رہے۔ اللہ نے انسان کو شیطان کے مقابلے میں اکیلا نہیں چھوڑا۔ وحی کی صورت میں ہدایت کے علاوہ انسان کے اندر بھی حق و باطل میں تمیز کرنے کی صلاحیت الہام کی ہے:

فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ﴿ (سورہ الشمس: آیت ۸)

ترجمہ: ''پھر نفس انسانی پر اُس کی بدی اور اُس کی پرہیز گاری الہام کر دی۔''

حدیث میں حضورؐ نے فرمایا ہے:

اَلبِرُّ حُسْنُ الْخَلقِ وَالْاِثْمُ مَا حَاکَ فِی صَدرِکَ وَکَرِهْتَ اَن یَطلِعَ عَلَیْهِ النَّاسِ

(صحیح مسلم بروایت نواس بن سمعانؓ . کتاب البر والصلة والآداب، باب تفسیر البر والاثم)

''نیکی اچھے اعمال و اخلاق ہیں اور گناہ کا کام وہ ہے جو تمہارے دل میں کھٹکے اور تم یہ پسند نہ کرو کہ دوسرے لوگوں کو اس کا پتہ چلے۔''

اس لیے جب کسی کام پر دل کھٹکے تو انسان کو سمجھ لینا چاہیے کہ شیطان اُس سے غلط کام کروانا چاہتا ہے۔ ابلیس اپنے نام کے مطابق لوگوں کو اللہ کی رحمت سے یاس و ناامیدی دلاتا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ اپنے گنہگار بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

اس کے علاوہ شیطان سے لڑائی کے خلاف نہایت کارگر ہتھیار اللہ کی راہ میں پیسہ خرچ کرنا ہے۔ جب ہمارے دل دنیا کی محبت سے پاک ہو جاتے ہیں تو شیطان کے لیے اُن میں وسوسہ ڈالنا مشکل ہو جاتا ہے۔

فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى ﴿ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى ﴿ فَسَنُيَسِّرُهُ

لِلْيُسْرَىٰ﴾ (سورہ اللیل: آیات ۵-۷)

ترجمہ: ''پس جس نے (راہ خدا میں) مال دیا اور (خدا کی نافرمانی سے) پرہیز کیا، اور بھلائی کو سچ مانا، اس کو ہم آسان راستے کے لیے سہولت دیں گے۔''

علاوہ ازیں، شیطان کے حربوں سے بچنے کے لیے اسلام میں نماز قائم کرنے کا حکم ہے جس میں غفلت کی بیماری کا علاج پوشیدہ ہے، روزے فرض کیے ہیں جن میں شہوات کا علاج پوشیدہ ہے، زکوٰۃ دینے میں دنیا کی محبت کا علاج پنہاں ہے اور حج جامع العبادات ہے کہ اس میں مندرجہ بالا تمام بیماریوں کا علاج رکھا گیا ہے۔

جب شیطان سے جنگ میں ایک مومن مرد یا عورت اس دنیا سے واپس لوٹتے ہیں تو اُن کی روح کو فرشتوں کے شاندار استقبال کے ساتھ خدا کا یہ پیغام دیا جاتا ہے:

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ﴿ وَادْخُلِي جَنَّتِي ﴿

(سورہ الفجر: ۲۷-۳۰)

ترجمہ: ''اے نفسِ مطمئن، چل اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو اپنے (انجام نیک سے) خوش اور (اپنے رب کے نزدیک) پسندیدہ ہے۔ شامل ہو جا میرے (نیک) بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں۔''

☆☆☆☆☆

اِس بحث کا کچھ فیصلہ میں کر نہیں سکتا
گو خوب سمجھتا ہوں کہ یہ زہر ہے وہ قند

کیا فائدہ کچھ کہہ کے بنوں اور بھی معتوب
پہلے ہی خفا مجھ سے ہیں تہذیب کے فرزند

اِس راز کو عورت کی بصیرت ہی کرے فاش
مجبور ہیں معذور ہیں مردانِ خرد مند

کیا چیز ہے آرائش و قیمت میں زیادہ
آزادیٔ نسواں کہ زمرد کا گلوبند

(اقبالؒ)

تحریکِ آزادئ نسواں
یا
بربادئ نسواں

قرآن میں سورۂ الاحزاب میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْأُوْلٰی﴾

(سورۂ الاحزاب: ۳۳)

''اور اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور پہلی جاہلیت کی سی سج دھج دکھاتی نہ پھرو۔''

عورت کے لیے جب ''تبرج'' کا لفظ استعمال کیا جائے تو اُس کا مطلب ہے کہ ''وہ اپنے چہرے اور جسم کو لوگوں کو دکھائے۔'' وہ اپنے لباس کی شان دوسروں کے سامنے نمایاں کرے اور اپنی چال ڈھال سے مردوں کو اپنی طرف راغب کرے۔ ''جاہلیت'' سے مراد اسلام کی اصطلاح میں ہر وہ طرزِ عمل ہے جو اسلامی تہذیب و ثقافت، اسلامی اخلاق و آداب اور اسلامی رسومات کے خلاف ہو۔ ''جاہلیت اُولیٰ'' سے مراد وہ تمام برائیاں اور فحاشی و عریانی ہیں جن میں اسلام سے پہلے عرب کے لوگ اور دنیا بھر کے

دوسرے لوگ مبتلا تھے۔ جب حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا کہ اس آیت میں ''جاہلیت اُولیٰ'' سے کیا مراد ہے تو ابن عباسؓ نے فرمایا:

وَهَلْ كَانَتْ مِنْ اُوْلٰى اِلَّا وَلَهَا آخِرَةٌ ؟

ترجمہ: ''کیا کوئی ایسا 'پہلا' بھی ہے جس کا 'آخری' نہ ہو ؟ '' (1)

ابن عباسؓ کی مراد یہ تھی کہ جس طرح اسلام سے پہلے جاہلیت کا دور تھا جب ہر طرف بے حیائی اور جنسی بے راہ روی تھی اُسی طرح دوبارہ وہ دور ''جاہلیت اُخریٰ'' کی صورت میں آئے گا۔ بیسوی صدی میں تاریخ نے اپنے آپ کو دہرایا اور جدید دور میں جاہلیت اپنی تمام تر جلوہ طرازیوں کے ساتھ نمودار ہوئی ہے۔ ایک عرب عالم اسلام کے مطابق تو ''جَاهِلِيَّةُ الْاُخْرٰى اَشَدُّ مِن جَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى'' یعنی دورِ جدید کی جاہلیت قبل اسلام کی جاہلیت سے زیادہ شدید ہے۔ قبل اسلام جاہلیت میں شرم و حیا سے عاری خواتین کو اسباب و وسائل میسر نہ تھے جن کے سہارے پر وہ معاشرے میں کرپشن پھیلا سکیں۔ جدید جاہلیت میں ٹیکنالوجی کا سہارا لے کر ٹی وی، بل بورڈز، باتصویر رسالے، فلمیں، ویڈیو، کمپیوٹر، انٹرنیٹ، چیٹنگ وغیرہ کے ذریعے جس طرح تبرج الجاهلية کیا گیا ہے وہ تاریخ انسانی میں اپنی مثال آپ ہے۔ الجاهلية الاولى میں رومیوں کی جانشین مغربی تہذیب نے فحاشی و عریانی کو انتہا تک پہنچایا۔ مغرب میں جدید جنسی انقلاب کی ابتداء تحریک نسواں (Feminist Movement) سے ہوئی جس کا اصل مقصد خواتین کی آزادی تھا لیکن یہ دراصل مذہب سے، خاندان سے اور شرم و حیا سے آزادی تھی۔

---

1) ابوجعفر ابن جریر طبری، جامع البيان في تاويل القرآن، تفسیر سورۃ الاحزاب، نمبر 21715 ۔ بیروت 1992ء

مسلمان ممالک کا خاندانی نظام

رسول اللہؐ نے فرمایا تھا کہ دجال کا آخری وار مسلمان عورتوں اور بچوں پر ہوگا۔ (مسند احمد) اس میں شک نہیں کہ کسی قوم کا مستقبل اُس کی عورتیں اور بچے ہوتے ہیں اور انہی کے دم سے خاندانی نظام قائم ہوتا ہے۔ امریکی حکومت کے دستِ راست سیموئیل ہنٹنگٹن نے اپنی مشہور کتاب ''تہذیبوں کا ٹکراؤ'' (The Clash of Civilizations) میں یہ واضح کیا تھا کہ امریکی مغربی تہذیب سے صرف دو ہی تہذیبیں ٹکراتی ہیں۔ اسلامی تہذیب اور چینی تہذیب۔ اسی لئے UNO کے سوشل انجینئرز (جو کہ واضح طور پر دجال کے سپاہی ہیں) نے عورتوں کے حقوق کے لیے جو کانفرنسیں منعقد کروائیں اُن میں سے ایک چین کے شہر بیجنگ میں (Beijing Conference) اور دوسری پانچ سال بعد اسلامی دنیا کے دل قاہرہ میں (Beijing Five Plus Conference) کروائی۔ ان کا مقصد مسلمانوں کے خاندانی نظام کو تباہ کرنا ہو گویا:

ع ''ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے''

ویسے تو ہر تحریکِ نسواں کا بنیادی ہدف خاندانی نظام کی تباہی اور شادی کی ضرورت کا خاتمہ ہوتا ہے لیکن مسلمان ممالک میں بالخصوص تحریکِ نسواں کے علمبردار اور اُن کے معنوی جانشین NGOs اسی مقصد کے حصول کے لیے مسلم معاشروں کی جڑوں پر تیشہ چلا رہے ہیں۔ حال ہی میں پاکستان میں بھی خواتین کی عالمی کانفرنس اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

مسلمان ممالک میں تحریکِ نسواں

مسلم ممالک میں تحریکِ نسواں کا بانی مصر کا قاسم الامین تھا جس نے اس موضوع

پر "تحریر المرأة" (عورتوں کی آزادی) کے عنوان سے ۱۸۹۹ء میں کتاب لکھی۔ قاسم الامین کا تعلق مصر کے امیر طبقے سے تھا۔ اُس نے برطانوی استعمار اور مصری حکمران طبقے کے تحریکِ نسواں کے بارے میں نظریات کو آنکھیں بند کر کے اپنے اندر جذب کر لیا۔ مصر میں اِس تحریک کو شہ دینے والا برطانیہ کا استعماری مہرہ لارڈ کرومر (Lord Cromer) تھا جس نے ۱۸۹۰ء کی دہائی میں مصر میں اپنے معنوی جانشینوں کو اس کام پر اُبھارا اور ہر ممکن وسائل خرچ کیے۔ لارڈ کرومر کی منافقت کا اندازہ اSس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ خود برطانیہ کے سیاسی حلقوں میں لارڈ کرومر کا شمار قدامت پسندوں (Conservatives) میں ہوتا تھا۔ برطانیہ کے اندر لارڈ کرومر حقوقِ نسواں کے خلاف تھا بلکہ وہ برطانیہ کی عورتوں کو ووٹ ڈالنے کا حق دینا بھی پسند نہیں کرتا تھا لیکن دوسری طرف مصر میں لارڈ کرومر مسلمانوں کی مذہبی معاشرتی روایات کو منہدم کرنے اور انہیں ماڈرن بنانے کے لیے یہاں کی مسلمان عورتوں کو ہر جائز و ناجائز طریقے سے پردے سے باہر لا کر سر بازار مردوں کے شانہ بشانہ کھڑا کرنا چاہتا تھا۔ کچھ یہی حال قاسم الامین مصری کا بھی تھا۔ قاسم الامین اپنی ذاتی زندگی میں یا اپنے گھر میں عورت کو آزادی یا اُس کو جائز حقوق تک بھی دینے پر راضی نہ تھا لیکن باہر وہ تحریکِ نسواں کا علمبردار بنا پھرتا تھا۔ قاسم الامین نے استعماری ایجنڈے کی وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے مسلمان خواتین کے معاملے میں دو چیزوں کو نشانہ بنایا: (۱) پردہ (۲) مسلمان عورتوں کا اپنے گھروں میں رہنا اور سوسائٹی کے مردوں سے آزادانہ اختلاط نہیں کرنا۔ پھر قاسم الامین نے مسلمانوں کے ہر میدان میں زوال کا ذمہ دار انہی دو باتوں کو قرار دینا شروع کر دیا حالانکہ اگر قاسم الامین فلسفہ تاریخ سے کچھ ذرا بھی واقف ہوتا تو اُسے پتہ چلتا کہ اُس نے الٹی بات کہہ دی ہے۔ قوموں کے زوال کا سبب معاشرے میں جنسی بے راہ روی اور بے حیائی ہوتے ہے نہ کے مضبوط خاندانی نظام۔

قاسم الامین کی موت کے بعد ۱۹۲۳ء میں تحریکِ نسواں کا علم ایک خاتون ہدیٰ

شعراوی نے اٹھایا اور اسلام کے پردہ کے نظریے کے خلاف خوب زہر اگلا اور اِس طرح اُس نے اپنے مغربی آقاؤں کا دل لبھایا۔ پھر صفیہ زغلول مصر کے سٹیج پر نمودار ہوئی اور عوامی تقریروں میں قاہرہ میں نقاب کو آگ لگائی (اور اپنے آپ کو جہنم کی آگ کا مستحق بنایا، اِن شاءاللہ)۔ مصر سے یہ تحریکِ ''آوارگی نسواں'' دیگر مسلمان ممالک میں بھی پھیلی اور مغربی ممالک نے NGOs کی صورت میں اُن کی بھرپور مالی امداد کی۔

مغربی معاشرے کی عورت، معرضِ کشمکش میں

دوسری طرف ہم مغربی معاشرے کا حال دیکھیں تو وہاں پر معاشرتی نظام کو یک جنسی (Unisex) بنایا جا رہا ہے جس میں مردوں اور عورتوں کے معاشرتی کردار (Role) میں کوئی فرق نہ ہو۔ امریکی مفکر جورج گلڈر (George Gilder) اپنی کتاب "Men & Marriage" (مطبوعہ امریکہ ۲۰۰۱ء) میں رقمطراز ہے کہ تحریکِ نسواں کے زیرِ اثر مغربی معاشرے میں ہر جگہ یعنی سکولوں کالجوں میں، کھیلوں کے میدان میں، معاشیات میں، جنسی تعلیم میں اور معاشرتی زندگی میں عورتوں اور مردوں کو ایک جیسے کردار دیئے جاتے ہیں، اس امید پر کہ یک جنسی معاشرہ (Unisex Society) وجود میں آ جائے لیکن نتیجہ اکثر ان کی مرضی کے خلاف نکلتا ہے اور کنفیوژن (Confusion) بڑھتی ہے۔

امریکہ اور یورپ میں جب عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنے کے لیے باہر نکل پڑیں تو نقصان اُنہی کا ہوا کیونکہ اپنی ممتا کے ہاتھوں مجبور ہو کر انہوں نے گھر کی ذمہ داری بھی نہ چھوڑی اور باہر کی ذمہ داریاں مردوں نے انہیں آزادیٔ نسواں کا جھانسہ دے کر اُن پر مزید ڈال دیں۔ بقول شاعر:

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم
نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

یہی وجہ ہے کہ امریکہ میں خواتین مردوں کے مقابلے میں تمباکونوشی زیادہ کرتی ہیں۔اس کی اہم وجہ Stress ہے جس سے یہ خواتین دوہری ذمہ داریاں ادا کرنے کی وجہ سے دوچار رہوتی ہیں۔تحریک آزادی نسواں دراصل تحریک آوارگی نسواں ہے کیونکہ اس کا مقصد عورت کو معاشرے کے لیے ایک جنسی کھلونا (Sex Object) بنانا ہے۔یہ چیز اُن مواقع پر واضح طور پر سامنے آتی ہے جب عورتوں کے مقابلہ حسن ہوتے ہیں یا ماڈل گرلز اپنے جسموں کی نمائش کرتی ہیں یا رقاصائیں سٹیج پر اپنے جسمانی اعضاء کو تھرکاتی ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ اُن عورتوں کی شخصیت نام کی کوئی چیز نہیں اور اُن کی حیثیت ایک خوبصورت جانور سے زیادہ نہیں جس کی نمائش کی جاتی ہے اور لوگ اسے دیکھ کر داد عیش دیتے ہیں۔اسلام کے مطابق جسم فروشی ہر لحاظ سے حرام ہے۔ماڈلنگ کرنے والی خواتین اسلامی شریعت کی رو سے طوائفیں ہیں۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ شوبز میں کام کرنے والی عورتوں ماڈل گرلز، ٹی وی اور فلم کی ایکٹریس اور ہیروئنوں کی شہرت کی عمر بہت کم ہوتی ہے اور اُس تمام مدت میں بھی وہ اپنے آپ کو فارم میں رکھنے کے لیے فاقے کرتی ہیں، سخت جسمانی ورزشیں کرتی ہیں لیکن جونہی ان کی جوانی ڈھلتی ہے، معاشرہ انہیں استعمال کیے ہوئے ٹشو کی طرح گمنامی کی ٹوکری میں پھینک دیتا ہے اور دوسری جوان عورتوں کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔یوں وہ عورتیں جو ایک وقت میں میڈیا کی زینت بنی ہوئی ہیں اچانک گوشہ گمنامی میں چلی جاتی ہیں۔

ماں کی محبت کی دشمن ۔ تحریکِ نسواں

تحریک آزادی نسواں عورت کو گھر کی فکر سے بالکل ''آزاد'' کر دینا چاہتی ہے کیونکہ ماں کی محبت اور اعلیٰ تربیت سے اچھے انسان تیار ہوتے ہیں جو کہ دجالی نظام کے لیے انتہائی خطرناک ثابت ہوتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ نیو یارک میگزین کے ستمبر ۱۹۷۵ء کے

انٹرویو میں تحریک نسواں کے حمایتی فرانسیسی مفکر سائمون ڈے بیووائر (Simone de Beauvior) نے برملا کہا تھا: ''جب تک خاندان، ماں پنا (Motherhood) اور ماں کی جبلی محبت (Meternal Instinct) کے تصور کو تباہ نہیں کریں گے، عورت آزاد نہیں ہو سکتی۔''

یہی وجہ ہے کہ جدید تہذیب میں سیلز گرل، ماڈل گرل، سیکریٹری، رقاصہ، گلوکارہ، فلمی ہیروئن اور نوکری کرنے والی عورت کی ماں سے زیادہ عزت ہوتی ہے کیونکہ یہ عورتیں گھر سے باہر نکل کر پیسہ کماتی ہیں جبکہ ماں گھر میں رہ کر بچوں کی تعلیم و تربیت کرتی ہے اور اچھے انسان تیار کرتی ہے۔ اس تہذیب میں ماں کے مقام کو غلام قرار دیا جاتا ہے اور اس سے اسے آزادی دلانے کا یقین دلایا جاتا ہے۔ دجالی تحریک بربادیِ نسواں والے اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ انہوں نے کتنی ہی عورتوں کو خاندان اور بچوں کی ''غلامی سے آزاد'' کروا کر باہر نوکری دلوائی۔ لیکن مغرب میں ماؤں کا اپنے بچوں کو دودھ نہ پلانا، چھوٹے بچوں کو اپنے سے دور دوسرے کمرے میں سلانا، ان کو ۳یا۴ سال کی عمر میں سکول داخل کروا دینا اور خود نوکری کرنے کی خاطر بچوں کو ڈے کیئر سینٹرز (Day Care Centers) میں داخل کروانا، یہ سب چیزیں برگ و بار لا رہی ہیں اور وہاں کے بچے والدین کو اُن کے بڑھاپے میں اولڈ ہومز (Old Homes) میں چھوڑتے ہوئے کسی قسم کی کوئی خلش یا احساس گناہ محسوس نہیں کرتے۔ ایسے بچے اپنی ماؤں کو جنہوں نے اپنے کیریئر کے جنون میں اپنے بچوں کو پیار سے محروم کیا ہوتا ہے، ان کی غیر موجودگی میں اپنے دوستوں کی محفلوں میں احمق قرار دینے میں کوئی تامل نہیں ہوتا۔ ایسے بچوں کو اپنی ماں سے وہ محبت نہیں ہوتی جیسی محبت کا اظہار علامہ اقبال نے اپنی والدہ کے متعلق ان الفاظ میں کیا تھا:

ے عمر بھر تیری محبت میری خدمت گر رہی
میں تیری خدمت کے قابل جب ہوا تو تو چل بسی

خاکِ مرقد پہ تیری لیکر یہ فریاد آؤں گا
اب دعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا
(والدہ مرحومہ کی یاد میں: بانگِ درا)

عظیم بوسنین مفکر علیجاہ عزت بیگووچ اپنی شہرہ آفاق کتاب "Islam Between East and West" (مطبوعہ امریکہ ۱۹۸۹ء) میں لکھتے ہیں کہ سوسائٹی میں بچوں کے Day-care Centers اور بوڑھوں کے Old Homes دراصل ایک ہی تصویر کے دو رُخ ہیں۔ یہ ہمیں مصنوعی ولادت اور مصنوعی وفات کی یاد دلاتے ہیں۔ دونوں ادارے کسی سوسائٹی سے رحم ومحبت کے فقدان اور فیملی سسٹم کے ٹوٹنے کی علامت ہوتے ہیں۔ دونوں کی خصوصیت یہ ہے کہ اُن میں والدین کا تعلق (Parental Relationship) غائب ہوتا ہے۔ Day-care Centers میں بچے والدین کے بغیر ہوتے ہیں اور Old Homes میں والدین کو بچے میسر نہیں ہوتے۔(1)

سویڈن کا شمار دنیا کے ترقی یافتہ ترین ممالک میں ہوتا ہے۔ یہاں پر بچوں کی شرح اموات سب سے کم ہے جبکہ شہریوں کی اوسط زندگی پوری دنیا میں سب سے زیادہ۔ جہاں تعلیم ہر درجے میں مفت اور لوگ کی تنخواہیں بہت زیادہ۔ سویڈن میں دنیا کی ہر طرح کی نعمت ہونے کے باوجود ذہنی مریضوں کی بڑھتی تعداد نے سویڈش پارلیمنٹ کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ اس کی وجوہات پر غور کریں۔ اس کام کے لیے انہیں نے معروف ماہر نفسیات ڈاکٹر ہینز لومین (Hans Lomen) کو منتخب کیا۔ ڈاکٹر لومین نے اپنی تحقیق کے نتائج میں بتایا کہ چونکہ سویڈن میں خواتین کی اکثریت نوکری کرتی ہے اس لیے یہاں پر خاندانی نظام بری طرح متاثر ہوا ہے۔ سویڈن میں ایسی عورتیں جن کے بچے تین سال یا کم عمر کے ہیں اُن میں سے ۵۰ فیصد سے زیادہ جاب کرتی ہیں اور جن کے بچے ۱۷ کی عمر یا اس

---

(1) Izetbegovic, 'Alija 'Ali (1994). Islam Between East and West. Indiana, American Trust Publications.

سے کم ہیں اُن میں سے ۷۰ فیصد سے زیادہ خواتین نوکریاں کرتی ہیں۔ ڈاکٹر لومین کے مطابق ''اس وجہ سے ہم نے اپنے بچوں کے لیے انتہائی بے حس اور بچوں کے خلاف (Anti Children) ماحول پیدا کردیا ہے۔''

گھر میں ماں کی غیر موجودگی کی وجہ سے اُس ملک میں تمام تر آسائشوں کے باوجود بچے بڑے ہو کر ذہنی مریض بن رہے ہیں۔

انسانی فطرت کے خلاف ناکام جنگ

اس میں شک نہیں کہ ہر زمانے اور ہر معاشرے میں کچھ عورتیں ایسی ضرور ہوتی ہیں جن میں مردانہ ہارمونز (Testosterone) کی زیادتی کی وجہ سے مردانہ کام کرنے میں تسکین محسوس ہوتی ہے۔ انہیں گھر سے باہر کی زندگی انتہائی پرکشش دکھائی دیتی ہے۔ صنعتی انقلاب نے ایسی عورتوں کے لیے گھر سے باہر نکلنے کے بے پناہ مواقع فراہم کیے۔ ایسی عورتیں فی الحقیقت معاشرے میں اقلیت (Microscopic Minoritty) میں ہوتی ہیں لیکن اپنے شوروغوغا سے ایسی مسخ شدہ فطرت والی خواتین معاشرے کی نارمل عورتوں کو بھی آزادی کے دلفریب نعروں کا جھانسہ دے کر سر بازار لے آتی ہیں۔

واقع یہ ہے کہ عورت اور مرد جسمانی اور ذہنی ہر لحاظ سے مختلف ہیں، تحریک نسواں کے علمبردار چاہے کتنے دلفریب نعرے بلند کرلیں۔ جدید تحقیق نے ثابت کردیا ہے کہ لڑکے اور لڑکیوں کے دماغوں کی ساخت میں فرق ہوتا ہے۔ بچے کی پیدائش سے بھی پہل حمل کے دوران ہارمونز (ماں کے جسم کے کیمیائی مادوں) کے اثرات کے نتیجے میں لڑکے اور لڑکی کے دماغ بالکل مختلف انداز سے بنتے ہیں اور یہ تبدیلی مستقل ہوتی ہے۔ (بحوالہ رسالہ 1986 Vol.5 Human Neurobiology ء) اسی طرح ایک دوسری تحقیق میں اسرائیل کے دو سائنسدانوں ریوین (Revwen) اور اینٹ اکیرون (Anat Achiron) نے یہ ثابت کیا کہ حمل کے چھٹے مہینے میں ہی الٹرا ساؤنڈ کے ذریعے لڑکی

کے دماغ کولڑکے کے دماغ سے ممتاز کیا جاسکتا ہے۔ (1)

ایک اور تحقیق جس کی سربراہ ایک خاتون سائنسدان ڈاکٹر ماریا کورڈیرو ہے، اور جو میڈیکل رسالے Developmental Brain Research میں ۲۰۰۰ء میں چھپی، کے مطابق میں جب سائنسدانوں نے چھوٹے بچوں کے دماغوں کے ٹشوز کا تقابل کیا تو انہوں نے لڑکوں اور لڑکیوں کے دماغوں میں واضح فرق پایا۔

تحریک نسواں کے مفکرین نے ایک غلط فہمی یہ پھیلائی ہوئی تھی کہ مرد اور عورت ایک دوسرے سے مختلف اس لیے نظر آتے ہیں کہ معاشرہ اُن کی تربیت مختلف انداز سے کرتا ہے۔اس لیے اگر ہم بچوں کی پرورش اس طرح کریں کہ لڑکا بچپن مختلف انداز سے کرتا ہے۔اس لیے اگر ہم بچوں کی پرورش اس طرح کریں کہ لڑکا بچپن میں گڑیوں سے کھیلے اور لڑکی کو مردانہ کھلونوں مثلاً گاڑیوں سے کھلایا جائے اور اسی طرح کے اور اقدامات کیے جائیں تو تحریک نسواں والوں کا خواب پورا ہوسکتا ہے یعنی مرد اور عورت مختلف نہیں۔لیکن حال ہی میں امریکہ کے نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ہیلتھ (NIH) نے ریسرچ شائع کی جو مشہور سائنسی جریدے (Journal of Personality and Social Psychology) کے ۲۰۰۱ء کے شمارے میں چھپی۔(2) اس تحقیق میں ڈاکٹر پال کوسٹا (Paul Costa) اور معاون سائنسدانوں نے مشاہدہ کیا کہ معاشرے میں مردوں اور عورتوں کے کرداروں میں فرق تمام کلچرز میں پایا جاتا ہے جن میں چین، افریقہ، ملیشیا، انڈیا، فلپائن، انڈونیشیا، امریکہ، یورپ (ہالینڈ، بیلجیئم، جرمنی، اٹلی، ناروے، پرتگال، سپین

---

1) Achiron, Reuwen, Lipitz, Shlomo & Achiron, Anat (2001). "Sex-related differences in the development of the human fetal corpus callosum: in utero ultrasonographic study." Prenatal Diagnosis 21: 116-120.

2) Costa P.T., Jr., Terracciano A., McCrae R.R. (2001) "Gender differences in personality traits across cultures: Robust and surprising findings." J. Person. & Soc. Psychol. 81: 322-331, 2001

اور مغربی روس) شامل ہیں۔ انہوں نے مزید اس بات کا بھی انکشاف کیا کہ یورپین اور امریکی کلچر میں لڑکے اور لڑکیاں ایک دوسرے سے اپنے معاشرتی رول میں سب سے زیادہ مختلف ہوتے ہیں حالانکہ ان دونوں کلچرز میں مرد وزن کے مختلف کرداروں (Roles) کو سب سے زیادہ دبایا جاتا ہے۔

قصہ مختصر یہ کہ تحریک آزادیٔ نسواں دراصل عورت کو اللہ کی بندگی کے آزاد کروا کر شیطان اور معاشرے کی قید میں دھکیلنے کی تحریک ہے۔ یہ انسانی فطرت کے سراسر خلاف ہے۔ اسلام نے عورت کو جو عزت بخشی ہے وہ دنیا کی کسی تہذیب نے نہیں دی اور نہ دے سکتی ہے۔ مغرب کی کئی عورتیں آج ٹھوکریں کھا کر اس نتیجے پر پہنچی ہیں جس کی تعلیم قرآن وسنت نے دی ہے۔ امریکی فلم انڈسٹری کی مشہور ایکٹرس جین سیبرگ (Jean Seaberg) نے اپنی خوبصورتی کی وجہ سے امریکہ کے علاوہ یورپ میں بھی بہت شہرت حاصل کی۔ انہوں نے ماں کے رول کو اپنانے کی بجائے باہر کی زندگی کا انتخاب کیا لیکن اُس کی موت کے بعد جب اُس کی ڈائری پڑھی گئی تو اُس کے آخری الفاظ درج ذیل تھے:

"I Wish I Had Stayed Home."

(کاش میں اپنے گھر میں رہی ہوتی۔)

ذرا غور فرمائیں! کیا جین سیبرگ اُس نتیجے پر تو نہیں پہنچی جس کی تلقین قرآن نے عورتوں کو چودہ سو سال پہلے کر دی تھی:

وَقَرْنَ فِىْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى﴿

(سورہ الاحزاب: ۳۳)

''اور اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور پہلی جاہلیت کی سی سج دھج دکھاتی نہ پھرو۔''

اسلامی روحانیت

(Islamic Spirituality)

نماز کی حکمتیں......اسلام اور سائنس کی روشنی میں

نماز اسلام کے ارکان میں سب سے پہلا اور اہم رکن ہے۔قیامت کے روز بندوں کے اعمال میں سب سے پہلا سوال نماز ہی کے متعلق ہوگا۔حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:

اِنَّ اَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَومَ الْقِيَامَةِ مِنْ عَمَلِهِ صَلَاتِهِ فَاِنْ صَلُحَت فَقَد أفلَحَ وَ أنْجحَ وَاِنْ فَسدَت فَقَدْ خَابَ وَ خَسَرَ .(1)

(ترمذی،نسائی ،ابن ماجہ،مسند احمد)

''سب سے پہلی چیز جس کے متعلق بندے سے قیامت کے روز باز پرس ہوگی وہ نماز ہے،اگر وہ درست ہوگی تو وہ کامیاب ہوگا اور اگر وہ غلط ہوگی تو وہ شخص بڑے نقصان میں رہے گا۔''

دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے حضورؐ نے سب سے آخر میں نماز ہی کی وصیت فرمائی:''الصلوة، الصلوة وما ملكت ايمانكم ''اسلام نے نماز کو اس قدر اہمیت دی

---

1) امام ترمذی نے اِس حدیث کو حسن غریب کا درجہ دیا ہے اور شیخ البانی نے اِسے صحیح کہا ہے۔

ہے کہ اسے ہر حال میں فرض رکھا ہے۔ گزشتہ قوموں کی تباہی کا بڑا سبب قرآن نے یہی بتایا ہے کہ انہوں نے نماز کو ضائع کر دیا تھا۔ اس مضمون میں نماز کا فلسفہ، اس کے سائنٹفک فوائد اور اس کی دیگر حکمتوں پر روشنی ڈالی جائے گی۔

نماز میں غفلت کا علاج

خدا سے غفلت کو دور کرنے کا سب سے زیادہ مؤثر نسخہ نماز ہے۔ یہ نسخہ خود اللہ تعالیٰ کا بتایا ہوا ہے۔ اُس نے خود فرمایا کہ مجھے یاد رکھنا چاہو تو نماز قائم کرو۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ﴿ (سورہ طٰہٰ:۱۴)

ترجمہ: ''میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔''

مفسر قرآن صحابی رسول عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا:

اِنَّمَا سُمِّیَ الْاِنْسَانُ اِنْسَانًا لِاَنَّهٗ عَهِدَ اِلَيْهِ فَنَسِیَ. (1)

''انسان کو 'انسان' اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اُس نے خدا کے ساتھ عالم ارواح میں عہد کیا اور پھر اُس عہد کو بھلا دیا۔''

مسلمانوں پر دن میں پانچ نمازیں فرض کی گئی ہیں۔ اُن کا ایک مقصد اُسی عہد کی یاد دہانی ہے۔ دنیا کے مشاغل میں مصروفیت کی وجہ سے انسان کے دل پر غفلت کے پردے پڑ جاتے ہیں۔ علامہ اقبال اپنی کتاب ''اسلام میں جدید الٰہیات کی تشکیل'' میں لکھتے ہیں:

''روزانہ کی پنج وقتی نمازوں کے اوقات کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے کہ وہ انسانی خودی کو روزمرہ کی مشینی زندگی سے آزاد کرتی ہیں۔ نماز انسان کی خودی کو دن کے کام کاج اور رات کے سونے کے لگے بندھے معمول سے آزادی مہیا کرتی ہے۔''

---

1) تفسیر ابی حاتم، الرد علی الجهمية لابن منده، الطبرانی فی الصغیر

خدا کی ہستی سے دعاومناجات کرنا اوراس کی عبادت کرنا انسان کی سرشت میں داخل ہے۔انسان اس کے بغیر رہ نہیں سکتا۔مشہورامریکی ماہرنفسیات پروفیسر ولیم جیمس (Willian James) لکھتا ہے:

''ایسا لگتا ہے کہ سائنس چاہے جتنی ترقی کرلے اُس کے برخلاف لوگ اُس وقت تک عبادت اور دعا کرتے رہیں گے جب تک یہ دنیا قائم ہے۔لوگ ہمیشہ یا اکثر اپنے سینوں میں (یعنی اپنے دلوں میں) اس کی خواہش لیے پھرتے ہیں۔ہر شخص دن کے آخر میں کسی قسم کی دعا یا عبادت کسی نہ کسی درجے میں کرتا ہے۔جولوگ مذہبی ہیں وہ تو اپنے اندر عبادت کی یہ خواہش رکھتے ہی ہیں۔لیکن مجھے یقین ہے کہ جولوگ اپنے آپ کو عبادت ودعا کی خواہش سے مبرا سمجھتے ہیں (یعنی دہریہ لوگ) وہ بھی اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں اور اپنے اندر دعاوعبادت کی خواہش رکھتے ہیں۔'' (1)

خدا کی ہستی سے دعا کرنا انسان کے خمیر میں موجود ہے۔جب دوسری جنگ عظیم میں برطانیہ، روس، امریکہ وغیرہ نے مل کر جرمنی کے خلاف سربراہوں کی میٹنگ کی اور ہٹلر کو شکست دینے کا پلان بنایا تو سٹالن (Stalin) جیسے دہریے اور مذہب دشمن نے چرچل سے کہا تھا: "May God make it work"(خدا سے دعا ہے کہ یہ پلان کامیاب ہوجائے)۔

خدا تعالیٰ سے دعاومناجات کا سب سے بڑا مظہر نماز ہے۔ اسی لیے رسول کریمؐ نے فرمایا: اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ (دعا ہی عبادت ہے۔)

(ابوداؤد۔ترمذی۔ابن ماجہ) (2)

---

1) James, W., quoted by Jones, R. M., "Prayer and the Mystic Vision" in Concerning Prayer, London, 1916, p. 119.

2) اِس حدیث کو شیخ البانی نے صحیح کا درجہ دیا ہے۔

دعا اور عبادت کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر مغرب کے کچھ سائنسدانوں میں دعا کی اہمیت کی طرف رجحان پیدا ہوا ہے۔ انہی میں ایک ڈاکٹر لیری ڈوسی (Larry Dossey, M.D.) ہے جو میڈیکل ڈاکٹر ہونے کے علاوہ روحانی علاج (Spiritual Healing) کے میدان میں بھی ماہر سمجھا جاتا ہے۔اُس نے اپنی مقبولِ عام کتاب "Prayer is Good Medicine" میں دعا و عبادت کی اہمیت کو جدید تحقیقات سے ثابت کیا ہے اور بتایا ہے کہ دعا، دوا کی طرح کارگر ہوتی ہے۔

نماز تمام مخلوقات عالم کی عبادات کا مجموعہ ہے

نماز کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ وہ سارے مذاہب عالم بلکہ ساری کائنات کے طریقہ ہائے عبادت کا خلاصہ ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ کے مطابق کائنات میں تین طرح کی چیزیں پائی جاتی ہیں۔(۱) جمادات (۲) حیوانات اور (۳) نباتات۔ جمادات کبھی حرکت نہیں کرتے بلکہ ساکت رہتے ہیں۔نماز میں ہم پہلے بے حرکت کھڑے ہو جاتے ہیں، گویا جمادات کی عبادت کا طریقہ ہماری عبادت میں قیام کے ذریعے سے شامل ہو گیا۔ حیوانات ہمیشہ رکوع کی حالت میں رہتے ہیں یہ ان کی عبادت ہے۔ہماری نماز میں رکوع کی حالت اسی کی مماثل ہے۔درختوں کا منہ ان کی جڑیں ہیں جو زمین میں گڑی رہتی ہیں یعنی نباتات اپنی عبادت میں سجدے کی حالت میں رہتے ہیں۔لہٰذا اسلامی عبادت میں نباتات کا طریق عبادت بھی شامل ہے۔ (1)

اسی حقیقت کی طرف قرآن میں سورہ الرحمٰن میں ارشاد ہے:

الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ﴿﴾ وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ﴿﴾
(سورہ الرحمٰن: ۵،۶)

---

1) ڈاکٹر حمید اللہ، خطبات بہاولپور ، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد، 1985ء

"سورج اور چاند ایک حساب کے پابند ہیں اور پودے اور درخت سب سجدہ ریز ہیں۔"

لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی عبادت نماز کی صورت میں ساری کائنات کی عبادتوں کا مجموعہ ہے۔

نماز کے میڈیکل فوائد

سائنسی نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو نماز کے بے شمار طبی فوائد ہیں۔ اگر ہم نمازوں کے اوقات کی تقسیم پر غور کریں تو ہم دیکھیں گے کہ پانچ فرض نمازوں کی تقسیم اللہ تعالیٰ نے ایسی فرمائی ہے کہ جو نمازیں خالی پیٹ ادا کی جاتی ہیں یعنی فجر، عصر اور مغرب کی نماز، وہ نمازیں رکعتوں کے لحاظ سے مختصر ہیں۔ اس کے برعکس جو نمازیں کھانے کے بعد ادا کی جاتی ہیں یعنی ظہر اور عشاء کی نمازیں، اُن کی مجموعی رکعتوں کی تعداد (فرض، سنتیں، نوافل ملا کر) زیادہ ہے تا کہ جسم کو نماز کے دوران ورزش مل سکے۔ اسی طرح تراویح کی نماز سب سے لمبی ہوتی ہے کیونکہ افطاری کے بعد جسم میں ایک ساتھ بہت سا کھانا پہنچ جاتا ہے جس کو ہضم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ ہم اپنے کھانے کو اللہ کے ذکر اور نماز کے ذریعے ہضم کرتے ہیں۔

امریکہ کے ڈاکٹر شاہد اطہر اپنی کتاب Islamic Perspectives in Medicine میں لکھتے ہیں کہ نماز کے طبی فوائد کے لحاظ سے تین گوشے ہیں:

(1) وضو:

نماز کے لیے وضو لازم ہے۔ وضو میں جسم کے لباس سے باہر رہنے والے حصوں (ہاتھ، منہ، ناک، پاؤں وغیرہ) کا دن میں پانچ اوقات پانی سے دھونا طبی نقطہ نگاہ سے انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ آج کے دور میں ہسپتالوں میں ہاتھوں کو بار بار دھونے کی اہمیت پر بہت زور دیا جاتا ہے تا کہ جراثیم کی روک تھام ہو سکے۔ مسلمانوں کو چودہ سو سال پہلے اس

کا حکم دیا گیا تھا۔ (دیکھیں: سورہ المائدہ: آیت ٦)

(2) نماز میں تلاوت قرآن:

قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاء وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ﴿

(سورہ بنی اسرائیل:۸۲)

ترجمہ: ''ہم اس قرآن میں وہ کچھ نازل کررہے ہیں جو ماننے والوں کے لیے شفا اور رحمت ہے۔''

نیز سنن ابن ماجہ کی ایک حدیث میں حضورؐ نے فرمایا کہ تلاوت قرآن میں شفاء ہے۔ نماز میں تلاوت قرآن سے انسان کے جسم، دماغ اور دل پر شفاء بخش اثرات مرتب ہوتے ہیں۔امریکی ریاست فلوریڈا کے ڈاکٹر احمد القاضی نے اکبر کلینک میں سائنسی تحقیقات سے یہ ثابت کیا تھا کہ تلاوت قرآن کے انسانی جسم کے رگ وریشے پر سکون آور اثرات مرتب ہوتے ہیں بلڈ پریشر کم ہوتا ہے، جسم پرسکون (Relax) ہوجاتا ہے، دل کی دھڑکن آہستہ اور نارمل ہوجاتی ہے۔

(3) جسمانی ورزش:

نماز کے ارکین ادا کرنے کے دوران جسم کے تمام پٹھوں اور جوڑوں کی معتدل قسم کی ورزش ہوتی ہے۔ ہر رکعت میں تقریباً 20 کیلوریز (Calories) جسم خرچ کرتا ہے۔(1)

امریکہ کے ایک دوسرے مسلمان محقق ڈاکٹر ابراہیم سید (پی ایچ ڈی) کی تحقیق کے

1) Athar, Shahid, M.D., Ed. (1993) Islamic Perspectives in Medicine - A Survey of Islamic Medicine: Achievements & Contemporary Issues. Indianapolis, American Trust Publishers

مطابق روزانہ کی پنج وقتی نمازوں سے جسم میں ویسی ہی فزیولاجیکل تبدیلیاں (بغیر کسی برے اثرات کے) رونما ہوتی ہیں جیسی کہ روزانہ تین میل فی گھنٹہ کی رفتار سے پیدل چلنے یا دوڑنے سے پیدا ہوتی ہیں۔ حال ہی میں ایک تحقیق، جو ہارورڈ یونیورسٹی کے ۱۷،۰۰۰ گریجویٹ طلبہ پر کی گئی جو ۱۹۱۶ء سے ۱۹۵۰ء کے دوران اس یونیورسٹی میں پڑھے تھے، یہ بتایا گیا کہ روزانہ تقریباً آدھا گھنٹے کی ہلکی پھلکی ورزش جو کہ روزانہ ۳ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلنے کے برابر ہوتی ہے کی جائے تو اُس سے صحت پر انتہائی مفید اثرات پڑتے ہیں اور ایسے لوگوں کی شرح اموات اُن لوگوں سے ایک تہائی کم تھی جو روزانہ کسی قسم کی ہلکی پھلکی ورزش نہیں کرتے۔

نماز کے ارکین میں سجدہ نہایت اہم رُکن ہے۔ یہ عبادت کا ایسا رُکن ہے جو آج صرف مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اسلام سے پہلے کے باقی تمام مذاہب نے اُس کو چھوڑ دیا ہے۔ قرآن میں ۹۰ سے زیادہ مقامات پر سجدے کا ذکر ہے۔ سورہ العلق میں ارشاد ہے:

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ۝ (سورہ العلق:۱۹)

ترجمہ: ''سجدہ کرو اور (اپنے رب کا) قرب حاصل کرو۔''

حدیث نبویؐ میں ہے:

اَقرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبدُ مِنْ رَبِّهٖ وَهُوَ سَاجِدٌ، فَاَكْثِرُوا الدُّعَاءَ

(صحیح مسلم، احمد، ابو داؤد، النسائی)

''بندہ سجدے کی حالت میں اپنے رب کے سب سے قریب ہوتا ہے اس لیے اِس حالت میں اللہ کو پکارو۔''

سجدہ ایک ایسی انوکھی حالت ہوتی ہے جس میں انسان کا دل اُس کے دماغ سے

بلند ہو جاتا ہے۔ باقی تمام حالتوں میں دماغ دل سے اوپر رہتا ہے۔ سجدے کی حالت میں زائد (Extra) خون انسان کے دماغ کی طرف جاتا ہے جس سے دماغ کو مزید غذائیت (Nourishment) ملتی ہے اور اس کے انسان کی یادداشت، نظر، قوت سماعت، ارتکاز توجہ اور دیگر ذہنی صلاحیتوں پر اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

اسلامی سکالر اور محقق ڈاکٹر ذاکر نائیک کے مطابق سجدے کی حالت میں انسان کے سائنس (Sinuses) میں جمع شدہ پتلا بلغم بہہ کر نکل جاتا ہے اور ایسے بندے کے "Sinusitis" (ناک کے اردگرد کے حصے کا انفکشن) جیسی بیماری کے امکانات بہت کم ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح پھیپھڑوں میں جمع شدہ مادہ (Mucus) بھی سجدے کی برکت سے بہہ نکلتا ہے اور بندے کو Bronchitis یعنی پھیپھڑوں کے انفکشن کے امکانات کم ہو جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں عام حالات میں سانس لیتے ہوئے صرف دو تہائی ہوا پھیپھڑے باہر نکالتے ہیں جبکہ سجدے کی حالت میں پھیپھڑوں کے نیچے کے پٹھے (Diaphram) پر دباؤ پڑنے سے پھیپھڑے بقیہ ایک تہائی ہوا بھی باہر نکالتے ہیں جو پھیپھڑوں کی صحت کے لیے اہم ہے۔ مزید برآں سجدے کی پوزیشن کی وجہ سے بواسیر کے امکانات بھی کم ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ نماز میں قیام، رکوع، سجود کی وجہ سے پاؤں اور ٹانگوں کے پٹھے بھی متحرک ہو جاتے ہیں اور اُن میں خون کی گردش تیز ہو جاتی ہے جو جسم کے لیے مفید ہوتی ہے۔ نماز کے ارکین کی ادائیگی کی وجہ سے انسان کی کمر مختلف سمتوں میں مڑتی ہے جس سے ریڑھ کی ہڈی کے امراض لاحق ہونے کے امکانات کم ہو جاتے ہیں۔ جو لوگ باقاعدہ سے نماز ادا کرتے ہیں وہ لوگ شاذ ہی گردن کے پٹھوں کی بیماریوں مثلاً Neck Myalgias یا Cervical Spondylosis جیسی امراض کا شکار ہوتے ہیں کیونکہ اُن کی گردن کے پٹھے روزانہ ۵۰ سے زیادہ سجدے کر کے کافی مضبوط ہو چکے ہوتے ہیں۔ (1)

---

1) Discover Islam TV Series "The Daily Prayer (Medical Benefits of Prayer)" Dr. Zakir Naik interviewed by Dr. Linda Thayer

اِن تمام سائنسی فوائد کے باوجود یہ بات واضح کردینا ضروری ہے کہ مسلمان روزانہ کی پانچ نمازیں یہ طبی فوائد حاصل کرنے کے لیے نہیں پڑھتے۔اُن کی نماز کا اصل مقصد تو صرف اور صرف اللہ کی رضا حاصل کرنا، اُس کے حکم کی تعمیل کرنا اور اُس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا ہوتا ہے۔تاہم غیر مسلموں کو نماز کے یہ تمام فوائد بتائے جاسکتے ہیں کیونکہ اسلام کے تمام احکامات میں حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔

نماز با جماعت اور انسانی دل

قرآن وحدیث میں مرد حضرات کے لیے با جماعت نماز کا حکم دیا گیا ہے۔اور اس کا ثواب تنہا نماز کے مقابلے میں ۲۷ گنا زیادہ بتایا گیا ہے:

صَلاۃُ الْجَمَاعَۃ اَفضلُ مِن صَلاۃِ الفذ بِسَبعٍ وَ عِشْرِینَ دَرَجۃ (بخاری)

با جماعت نماز کی برکات کے سلسلے میں ایک دلچسپ تحقیق ملاحظہ ہو۔ عظیم امریکی مفکر جوزف چلٹن پیئرس (Joseph Chilton Pearce) اپنی کتاب "The Biology of Transcendence" میں لکھتا ہے کہ اگر لیبارٹری میں ہم دل کے ایک خلیے کو شیشے کی پلیٹ (Slide) پر رکھ کر خوردبین سے اس کا معائینہ کریں تو ہم دیکھیں گے کہ وہ خلیہ (Heart Cell) کچھ دیر دھڑکنے کے بعد قوت کھو دیتا ہے اور مر جاتا ہے۔اسی طرح اگر ہم دل کے دو خلیے ایک دوسرے سے دُور سلائڈ پر رکھ دیں تو وہ بھی کچھ دیر دھڑکنے کے بعد مر جاتے ہیں۔لیکن اگر ہم انہی دو خلیوں کو ایک دوسرے سے قریب کر کے رکھیں تو وہ دونوں ایک ہی تناسب (Rhythm) سے دھڑکنا شروع کر دیتے ہیں اور وہ مرتے نہیں۔یہی حال سالم دل کے ساتھ ہوتا ہے کہ اُس کے تمام خلیے متحد ہو کر ایک ہی تناسب (Rhythm) کے ساتھ دھڑکتے ہیں جس کی

وجہ سے دل ایک انتہائی مضبوط عضو ہے۔اس کی وجہ جوزف پیئرس کے مطابق یہ ہے کہ جب دل کے خلیوں میں سے نکلنے والی Electromagnetic قوت کی لہریں ایک ہی تناسب اختیار کرلیں تو وہ ایک دوسرے کو تقویت دیتی ہیں۔ (1)

چنانچہ جب وہ لوگ مل کر کوئی کام کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں تو اُن کے دل مل جاتے ہیں۔یہیں سے اسلام کی نماز کے دوران صفیں سیدھی کرنے کی حکمت بھی سمجھ آتی ہے۔نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:

اقیموا صفوفکم ثلاثا واللہ لتقیمن صفوفکم او یخالفن اللہ بین قلوبکم. (سنن ابوداؤد) (2)

''نماز میں اپنی صفوں کو تین بار برابر کرو، قسم خدا کی تم اپنی صفوں کو برابر کرو ورنہ اللہ تمہارے دلوں میں پھوٹ ڈال دے گا۔''

اِسی مضمون کی براء بن عازب سے روایت کردہ ایک دوسری حدیث میں آپؐ نے فرمایا:

استووا ولاتختلفوا فتختلف قلوبکم۔(سنن ابوداؤد، احمد، نسائی)

''نماز کی صفوں میں آگے پیچھے مت ہو ورنہ تمہارے دل بھی مختلف ہوجائیں گے۔''

---

1) Pearce, Joseph Chilton (2002). The Biology of Transcendence. Rochester, Vermont, Park Street Press

2) اِس حدیث کو ابوداؤد کے علاوہ ابن حبان نے صحیح ابنِ حبان (396) میں، امام احمد نے مُسند احمد (276/4) میں اورالدولابی نے ''الکنی'' (86/2) میں بھی روایت کیا ہے۔شیخ البانی نے اِس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے (السلسلة الصحیحة 39/1) اور یہی رائے امام ابن خزیمہ نے اپنی ''صحیح ابن خزیمہ'' میں دی ہے جیسا کہ ''الترغیب'' (176/1) میں بیان ہوا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرمادیا کہ اگر نمازی صفیں سیدھی نہیں رکھیں گے تو اُن کے دل بھی تناسب (Rhythm) کے بغیر دھڑکیں گے اور اُن کے قلوب میں اتحاد نہیں رہے گا۔اس پر رسولؐ نے اتنازور دیا کہ وابصہ بن معبدؓ کی روایت کے مطابق حضورؐ نے ایک شخص کو دیکھا جو صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھ رہا تھا تو آپؐ نے اُسے نماز دہرانے کا حکم دیا۔(ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)اور علماء نے ایسے شخص کی نماز کو مکروہ قرار دیا ہے جو صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھے جبکہ باجماعت نماز ہورہی ہو۔(نیل الاوطار)

نماز کے انسانی معاشرے پر اثرات

قرآن میں نماز کے متعلق ارشادباری تعالیٰ ہے:

وَأَقِمِ الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ ﴿

(سورہ العنکبوت:۶۵)

ترجمہ: ''نماز قائم کرو۔یقیناً نماز فحش اور برے کاموں سے روکتی ہے۔''

قرآن میں نماز کی یہ خوبی بیان ہوئی ہے کہ نماز انسان کو بری باتوں سے روکتی ہے۔غور کیا جائے تو انسان کی اخلاقی تربیت کے لیے نماز سے بہتر کوئی عبادت نہیں۔آدمی کو روزانہ پانچ وقت خدا کے سامنے حاضر ہونا پڑتا ہے اور اس کے ذہن میں یہ بات تازہ کی جاتی ہے کہ وہ اللہ کے آگے جوابدہ ہے۔خدا اس کے ظاہر اور باطن تمام اعمال سے واقف ہے۔یہی وجہ ہے کہ جب دنیادار مسلمان مذہب کی طرف کچھ راغب ہوتے ہیں تو سب سے پہلے وہ نماز پڑھنا شروع کرتے ہیں۔نماز کی باقاعدگی سے جب لوگوں کی اخلاقی تربیت ہوتی ہے تو اُس کے لامحالہ اثرات معاشرے پر پڑتے ہیں۔نماز پڑھنے والے لوگ سوسائٹی میں امر بالمعروف ونھی عن المنکر (نیکی کا حکم اور برائی سے روکنا) کی ذمہ داری اچھی طرح ادا کرتے ہیں۔

نماز نفسیاتی طور پر سوسائٹی میں فرق مراتب کو ختم کرتی ہے کیونکہ بقول اقبال:

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

جب سوسائٹی میں وڈیرے اور ہاری، زمیندار اور مزارعے، کارخانے دار اور ملازم، امیر اور غریب ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر اللہ کے آگے رکوع اور سجدے کرتے ہیں تو اسلام انہیں یہ درس دیتا ہے کہ تمام انسان برابر ہیں، کوئی کسی پر ظلم نہیں کر سکتا۔ اس سلسلے میں ہمیں امام جعفرؓ صادق کا قول بھی مدنظر رکھنا چاہیے کہ جو شخص یہ معلوم کرنا چاہے کہ اس کی نماز قبول ہوئی ہے یا نہیں، اُسے دیکھنا چاہیے کہ اس کی نماز نے اسے فحشا اور منکرات سے کہاں تک باز رکھا۔ اگر نماز کے روکنے سے وہ برائیاں کرنے سے رُک گیا تو اس کی نماز قبول ہوئی ہے۔ (روح المعانی)

نماز انسان کو انفرادیت کی بجائے اجتماعی مفادات مدنظر رکھنے کا درس دیتی ہے تا کہ انسان صرف اپنی ذات کے متعلق نہ سوچے۔ نماز کے معاشرتی پہلو کی انتہا نماز جمعہ میں ہوتی ہے جب لوگ دور دور سے آ کر ایک امام کے پیچھے نماز ادا کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے اتحاد کے اس سحر انگیز منظر میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ صرف اس منظر کو دیکھ کر کتنے غیر مسلموں نے اسلام قبول کر لیا۔

امریکہ کے کلینیکل ماہر نفسیات ڈاکٹر جیمس کاربارینو نے اپنی کتاب "Lost Boys" (مطبوعہ نیویارک ۱۹۹۹ء) میں امریکہ کی یونیورسٹی آف ہوائی (University of Hawii) کے ماہر نفسیات اینڈریو ویور (Andrew Weaver) کی ایک ریسرچ پیش کی ہے۔(1)

---

1) Garbarino, James (1999). Lost Boys. New York, Free Press (Simon & Schuster, Inc.)

اِس تحقیق میں ڈاکٹر جیمس کاربارینو نے دریافت کیا کہ معاشرے کے نوجوانوں کا جتنا زیادہ تعلق مذہبی عبادات سے ہوتا ہے اتنے ہی وہ نوجوان جرائم اور معاشرے کے زہر آلود اثرات سے دور رہوتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ مسلم نوجوانوں کو برائیوں سے بچانے میں نماز سب سے اہم کردار ادا کرتی ہے بالخصوص جب نوجوان نمازیں با جماعت ادا کریں۔ اس لیے والدین کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں میں نماز کی عادت پختہ کریں۔

نماز کے ساتھ رزق کا وعدہ

قرآن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاْمُرْ اَهْلَکَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَیْهَا لَا نَسْئَلُکَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُکَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰی ﴿ (سورہ طٰہٰ: آیت ۱۳۲)

ترجمہ: ''اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اور اس پر جمے رہو، ہم تم سے رزق کا مطالبہ نہیں کرتے۔ ہم تم کو رزق دیں گے۔ انجام کار کی کامیابی تو بہرحال اہلِ تقویٰ ہی کے لئے ہے۔''

قرآن کی اِس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ نے نماز کے قیام کے ساتھ رزق کا وعدہ کیا ہوا ہے۔ اِس آیت کی تفسیر میں مولانا امین احسن اصلاحی تفسیر ''تدبر القرآن'' میں لکھتے ہیں:

''(اللہ فرماتا ہے کہ) ہم تمہارے رزق کے ذمہ دار ہیں۔ تم ہمارا کام کرو اور نماز کا اہتمام کرو۔ باقی جو ذمہ داری ہماری ہے وہ ہم پر چھوڑ دو۔ تم اس کے لیے فکرمند نہ ہو۔ سیدنا مسیح علیہ السلام نے اسی حقیقت کو یوں واضح فرمایا کہ ''جو مزدور اپنی ڈیوٹی پر

ہے وہ اپنی مزدوری کا حق دار ہے۔" (تفسیر تدبر القرآن: جلد ۵)

اس لیے گھر میں سب لوگوں کے لیے نماز کا اہتمام انتہائی ضروری ہے بالخصوص گھر کے سربراہ کا، کیونکہ جب گھر کا سربراہ نماز چھوڑتا ہے تو اُس کا خمیازہ پورے گھر کو بھگتنا پڑتا ہے اور گھر کے رزق میں برکت نہیں رہتی۔

صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا تعلق

نماز کے رزق کے ساتھ تعلق کے بارے میں دوسری دلیل یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن میں نماز (صلوٰۃ) اور زکوٰۃ تقریباً ہمیشہ ساتھ ساتھ آتے ہیں:

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضاً حَسَناً

(سورہ المزمل: آیت ۲۰)

"نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور اللہ کو اچھا قرض (اللہ کے راستے میں مال) دیتے رہو۔)

صلوٰۃ اور زکوٰۃ کے اسی تعلق کی وجہ سے جب ابوبکر صدیق ؓ نے زکوٰۃ دینے سے انکار کرنے والے قبیلے کے خلاف جہاد کا ارادہ کیا تو اِس موقع پر فرمایا تھا:

وَاللهِ لَأُقَاتِلَنَّ مَن فَرَّقَ بَينَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ فَإِنَّ الزَّكَاةِ حَقُّ الْمَالِ (بحوالہ: طبقات ابنِ سعد، جلد 2)

"میں قسم کھاتا ہوں کہ میں ہر اُس شخص سے جہاد کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا۔"

دراصل نماز ہمارے اللہ سے رابطے کا مظہر ہے تو دوسری طرف زکوٰۃ اللہ کی مخلوقات سے تعلق کا اظہار ہے۔ اب چونکہ زکوٰۃ صاحب نصاب شخص ہی دیتا ہے یعنی جس کے پاس اتنے پیسے ہوں کہ اُس پر زکوٰۃ لگتی ہو اور قرآن نے نماز اور زکوٰۃ کو ساتھ ساتھ رکھا ہے اس لیے جو شخص نماز قائم کرنے کی پابندی کرے گا، ان شاء اللہ اُسے اللہ اِس قابل کردے گا کہ وہ زکوٰۃ بھی ادا کر سکے۔

بزرگوں کی نماز

اسلامی تاریخ کے اوراق بزرگوں کے عبادت الٰہی میں انہماک کے واقعات سے بھرے پڑے ہیں۔ یہاں پر صرف چند مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے:

حضورؐ جب امام ہوتے تھے تو نماز مختصر پڑھاتے تھے اور جب تنہا پڑھتے تھے تو رات طویل پڑھتے تھے۔ (احمد، نسائی)

آپؐ مقتدیوں کے ساتھ اس لیے مختصر نماز پڑھتے تھے کہ اُن کو تکلیف نہ ہو اور تنہا اس لیے نماز طویل پڑھتے تھے کہ نماز آپؐ کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھی (ابن حجر عسقلانی) یہاں تک کہ آپؐ کے پاؤں میں کھڑا رہنے کی وجہ سے ورم آ جاتا تھا۔ صحابہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ، آپ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ آپؐ کی تو اللہ تعالیٰ نے مغفرت فرما دی ہے۔ آپؐ نے فرمایا، کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی یہ حالت تھی کہ ساری ساری رات نماز پڑھتے اور جس طرح بے جان لکڑی کھڑی رہتی ہے اس طرح نماز میں کھڑے رہتے اور نماز میں اللہ کے ڈر سے اِس قدر روتے کہ ہچکیاں بندھ جاتیں۔

حضرت عمر فاروقؓ کے متعلق امام شعرانیؒ لکھتے ہیں کہ جب عمرؓ کو خلافت ملی تو اُس

کے بعد آپ نہ دن کو سوئے، نہ رات کو، کسی وقت اُونگھ لیتے اور فرماتے، اگر دن کو سوجاؤں تو رعیت کا نقصان ہوتا ہے اور رات کو سوجاؤں (نماز وغیرہ نہ پڑھوں) تو آخرت کا خسارہ نظر آتا ہے۔

حضرت علیؓ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ جب لڑائی میں آپؓ کے تیر لگ جاتے تو وہ حالت نماز ہی میں نکالے جاتے کہ وہ آپؓ کی محویت کا وقت ہوتا تھا۔

حضرت ابوطلحہؓ ایک مرتبہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک پرندہ اُن کے گنجان باغ میں پھنس گیا اور راستہ ڈھونڈنے کے لیے کبھی اِدھر اُڑتا کبھی اُدھر۔ ابوطلحہؓ کا دھیان نماز میں اُس طرف لگ گیا اور بھول گئے کہ کس رکعت پر تھے۔ نہایت افسوس ہوا اور یہ خیال کر کے کہ اس باغ کی وجہ سے میری نماز میں وسوسہ آیا، تمام باغ اللہ کی راہ میں خیرات کر دیا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ جب اذان کی آواز سنتے تو اس قدر روتے کہ آنکھیں سرخ ہوجاتیں۔ آپؓ کا ارشاد ہے کہ اگر لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ مؤذن کیا کہتا ہے تو راحت وآرام سے محروم ہوجائیں اور نیند اُڑ جائے۔ (الترغیب والترھیب)

ایک شخص بیان کرتے ہیں کہ میں نے ذوالنون مصریؒ کے پیچھے عصر کی نماز پڑھی۔ جب اُنہوں نے ''اللہ اکبر'' کہا تو لفظ ''اللہ'' کے وقت اُن پر جلال الٰہی کا ایسا غلبہ تھا گویا اُن کے بدن میں روح نہیں رہی، بالکل مبہوت سے ہوگئے اور جب ''اکبر'' زبان سے کہا تو میرا دل اُن کی اس تکبیر کی ہیبت سے ٹکڑے ہوگیا۔ (نزھۃ البساتین)

حضرت رابعہ بصریہؒ کا یہ طریقہ تھا کہ نماز میں کفن اپنے سامنے رکھتی تھیں اور یکسو ہو کر نماز پڑھتی تھیں۔ اُن کی سجدہ کی جگہ اکثر آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی۔

انسان کے روحانی وجود کی پنج وقتی غذا ۔نماز

انسان جسم اور روح کا مرکب ہے ۔جس طرح انسانی جسم کو ہم روزانہ تین مرتبہ غذا مہیا کرتے ہیں اسی طرح انسانی روح کی تقویت کے لیے روزانہ پانچ وقت کی نمازیں مقرر کی گئی ہیں ۔اگر جسم کو روزانہ غذا مہیا نہ کی جائے تو وہ لاغر اور کمزور ہو جاتا ہے اُسی طرح اگر انسانی روح کو روزانہ نماز کے ذریعے پنج وقتی غذا نہ بہم پہنچائی جائے تو وہ بھی نحیف اور کمزور ہو جاتی ہے ۔جس طرح انسانی جسم کی غذا دنیا سے ملتی ہے اُسی طرح انسانی روح جو کہ خود ملکوتی ہے (فرشتے کے پھونک مارنے سے وجود میں آتی ہے) اُس کی غذا بھی آسمان سے آتی ہے ۔یہی وجہ ہے کہ جب رسول کریمؐ معراج کی رات آسمانوں پر گئے تو آپؐ کو آپ کی اُمت کے لیے پانچ نمازوں کا تحفہ عطا کیا گیا ۔یہی وجہ ہے کہ نماز مومن کی معراج ہے اور حضورؐ نے نماز کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دیا ۔

جس طرح ہمارے جسمانی وجود کی صحیح نشو ونما کے لیے خالص خوراک کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح روحانی وجود کے لیے بھی ضروری ہے کہ روحانی غذا ملاوٹ سے پاک ہو۔ علامہ اقبال اپنے خطبات ''اسلام میں جدید الٰہیات کی تشکیل'' (Reconstruction of Religious Thought in Islam) (مطبوعہ دہلی ، ۱۹۹۴ء) میں لکھتے ہیں کہ اسلامی تصوف میں موسیقی کو عبادت میں داخل نہیں ہونے دیا جاتا تا کہ نماز کا یہ روحانی تجربہ جذبات سے پاک رہے (wholly non-emotional experience) اور سالک دوسرے تجربوں میں الجھنے کی بجائے حقیقی روحانی مقام کو نماز میں پالے ۔

یقیناً انسانوں کے اذہان پر روزانہ کی مصروفیت سے متعلق خیالات یا غصہ پیدا

کرنے والے واقعات یاد دلانے کے ذریعے شیطان جتنے رکیک حملے نماز کے دوران کرتا ہے اُتنے شاید ہی کسی اور موقع پر کرتا ہو۔ نماز کے دوران توجہ عبادت کی طرف نہ ہونا یا نماز تیز تیز ادا کرتے ہوئے نماز کی چوری کرنا یا نماز میں ریاکاری کرنا ایسے اعمال ہیں جو اس روحانی غذا کو بیمار کر دینے والی غذا بنا دیتے ہیں۔ رسول کریمؐ نے فرمایا ہے:

اِنَّمَا يُكْتَبُ لِلْعَبْدِ مِنْ صَلَاتِهِ مَا عَقِلَ مِنْهَا.

(مُسند احمد، ابوداؤد، نسائی) (1)

"بے شک آدمی کے لیے نماز میں سے اُتنا ہی ثواب کا حصہ لکھا جاتا ہے جتنی نماز وہ سمجھ کر پڑھے۔"

نماز میں خشوع وخضوع پیدا کرنے کے سلسلے میں امام غزالیؒ کی "احیاء العلوم" کا مطالعہ فائدہ مند ثابت ہو سکتا ہے۔ امام غزالی نے اس کا حل یہ بتایا ہے کہ نماز میں الفاظ کے معانی پر غور کیا جائے تاکہ دوسرے خیالات نہ آئیں۔ تہجد کی نماز بھی نماز میں خشوع وخضوع لانے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ المختصر ہماری نمازوں کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ بقول شاعر:

؎ میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی
میں اسی لیے مسلماں میں اسی لیے نمازی

☆☆☆☆☆

---

1) امام احمد نے مُسند احمد میں اِس حدیث کو صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے اور یہی رائے حافظ العراقی نے اپنی کتاب "تخریج احادیث الاحیاء" میں بیان کی ہے۔

صبر و استقامت کا معلم، روزہ

''صوم'' کے لفظی معنی کسی چیز سے رُکے رہنے کے ہیں۔ شریعت میں اس سے مراد ہے مخصوص وقت مین مخصوص چیزوں سے مخصوص شرائط کے ساتھ رُکے رہنا۔ (نیل الاوطار) روزے کی فضیلت میں حضورؐ سے متعدد احادیث ثابت ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا:

''جنت کا ایک دروازہ ہے، جس کا نام ہے ریان (سیرابی)۔ قیامت کے روز آواز دی جائے گی ''روزہ دار کہاں ہیں؟'' جب آخری روزہ دار داخل ہوجائے گا تو وہ دروازہ بند کردیا جائے گا۔'' (بخاری و مسلم)

حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: ''جو بھی بندہ اللہ کی راہ میں اللہ کے لیے روزہ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اُس روزے کے ذریعے اُس کے چہرے کو آگ سے ستر خریف (۲۱۰ میل) دور کردیتا ہے۔'' (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی)

شیخ عزالدین بن عبدالسلامؒ نے فرمایا تھا کہ شریعت کے دو ہی مقاصد ہیں:

جَلبُ الْمَصَالِح وَدَرْءُ الْمَفَاسِد.

(لوگوں کو فائدہ پہنچانا اور اُن سے نقصان کو دور کرنا۔)

اِس لحاظ سے روزے کے بھی بے شمار فائدے ہیں اور یہ بہت سے نقصانات سے نہ صرف فرد کو بلکہ پورے معاشرے کو بچاتا ہے۔ یہی اِس مضمون کا موضوع بحث ہے۔

روزہ اور صبر و استقامت

صبر کا مفہوم یہ ہے کہ ایک حالت مطلوبہ پر مضبوطی کے ساتھ جم جائے۔ خواہ اپنی خواہشات نفس اس کے خلاف تقاضا کریں یا معاشرتی ماحول بھی یہ تقاضا کرے کہ اس حالت کو چھوڑ دیا جائے۔ "صوم" کے لفظی معنی ہی کسی کام سے رُک جانے کے ہیں۔ گویا روزہ ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ ہم اپنے پورے جسم کو مع اس کی خواہشات کے اللہ کے لیے قابو میں رکھیں۔ جسم کے تمام اعضاء کو مکمل طور پر اللہ کی نافرمانی سے بچالیں۔ ماہرین نفسیات اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ انسان میں تین خواہشات سب سے زیادہ شدید ہوتی ہیں یعنی بھوک، پیاس اور جنسی محرک۔ ماہرین نفسیات کے مطابق اگر انسان ان بنیادی تمام نفسیاتی جذبوں پر کنٹرول کرسکتا ہے۔

صبر واستقامت دراصل انسان کی نفسیاتی قوتوں کے سیلاب کو روکنے اور اس پر مستقل بند باندھنے کا دوسرا نام ہے اور یہ چیز روزے سے حاصل ہوتی ہے۔ نتیجتاً ایک روزہ دار مہینہ بھر کی مشق کے بعد ایک ضبط نفس رکھنے والا، مشکلات سہنے والا اور متقی انسان بن جاتا ہے جس کی توجہ کا مرکز و محور صرف خدا کی ذات ہوتی ہے۔ روزہ کی حالت میں انسان کی بعض جائز چیزیں بھی منع کر دی جاتی ہیں تا کہ اُس کے لیے حرام چیزوں سے بچنا نفسیاتی طور پر مزید آسان ہو جائے۔ انسان کا دل چاہتا ہے کہ وہ وقت بے وقت بہترین خوراک کھائے۔ انسان کا نفس یہ بھی پسند کرتا ہے کہ وہ آرام سے بستر پر لیٹا رہے لیکن روزے کی حالت میں اُسے وقت بے وقت کھانے سے منع کر دیا جاتا ہے، سحری کے وقت اُسے نیند کی قربانی دے کر اُٹھنا پڑتا ہے۔ یوں انسان کو پابندیوں کا عادی بنایا جاتا ہے تا کہ اُس کے لیے اللہ کی اطاعت آسان ہو جائے۔

رمضان کے لیے چاند کے مہینے کی حکمت

رمضان کے لیے چاند کا مہینہ استعمال ہوتا ہے۔ ایام جاہلیت میں کفار شمسی کیلنڈر کے حساب سے مہینوں کی گنتی کا شمار کرتے تھے۔ اسلام نے اُس کو منسوخ کر دیا اور چاند کے مہینے کا استعمال رائج کیا۔ اِس میں بہت سی حکمتیں ہیں جو بعض انگریز محققین سے بھی پوشیدہ نہیں۔ امریکہ کی Stony Brook University نیویارک کے عیسائی پروفیسر ز ساچیکو موراٹا (Sachiko Murata) اور ولیم چیٹک (William Chittick) اپنی کتاب "The Vision of Islam" میں ماہ رمضان کے متعلق لکھتے ہیں:

''یہ حقیقت کہ رمضان کا مہینہ قمری ہوتا ہے، کے دلچسپ نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ اِس وجہ سے ہر دن کی لمبائی دنیا کے ہر کونے میں مختلف ہوتی ہے اور مسلسل بدلتی رہتی ہے۔ دنیا کے شمالی کرہ (Northern Hemisphere) پر جون کے مہینے میں دن لمبے ہوتے ہیں تو جنوبی کرۂ زمین پر دن چھوٹے ہوتے ہیں لیکن چونکہ قمری سال شمسی سال سے گیارہ دن چھوٹا ہوتا ہے اس لیے تمام مسلمان جو تیس سال تک روزے رکھتے رہتے ہیں تو وہ ایک جیسے وقت کی مقدار میں روزہ رکھتے ہیں چاہے وہ دنیا کی جنوبی حصے میں موجود ہوں یا شمالی حصے میں۔'' قمری سال میں ایک بہت بڑی حکمت یہ ہے کہ جب رمضان کا مہینہ گرمیوں میں آتا ہے تو روزہ داروں کو پیاس کی شدت برداشت کرنا پڑتی ہے جبکہ سردیوں کے رمضان میں بھوک کی سختی سے انسانی نفس کی تربیت ہوتی ہے۔ اس طریقے سے رمضان میں امیر سے امیر انسان کو بھی بھوک اور پیاس کی شدت کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس سے کہ عام طور پر غریب سے غریب انسان گزرتا ہے۔ اسے پتہ چلتا ہے کہ اگر اُس کا ہمسایہ رات کو بھوکا سو جاتا ہے تو اُسے کیا تکلیف ہوتی ہوگی۔ اس سے ہمدردی کا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔ اس لیے رمضان ایثار اور ہمدردی کا درس دیتا ہے۔'' (1)

1) Chittick, William & Murata, Sachiko (1998) The Vision of Islam. New York, Paragon House Publishers.

روزے میں بسیار خوری سے اجتناب کا درس

روزے کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ یہ انسان کو بھوک پر کنٹرول دیتا ہے اور بسیار خوری (Over-eating) سے اجتناب کا درس دیتا ہے۔زیادہ کھانے سے بہت سی بیماریاں جنم لیتی ہیں۔امریکہ کے نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ہیلتھ (NIH) کے مطابق امریکہ میں ۸۰ فیصد بیماریاں کھانے سے متعلق ہوتی ہے۔

جدید سائنس میں بیماریوں کی وجوہات کے متعلق ایک مفروضہ (Hypothesis) یہ بھی ہے کہ جب ہم خوراک کھاتے ہیں تو اُس میں سے غیر ہضم شدہ اجزاء جسم میں جمع ہو کر فساد پیدا کرتے ہیں جس کے نتیجے میں بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔اگر یہ سائنسی مفروضہ صحیح ہے تو ہمیں روزے کی اہمیت مزید سمجھ میں آتی ہے کہ کئی گھنٹے بھوکا پیاسا رہنے کی وجہ سے جسم میں موجود غیر ہضم شدہ غذائی اجزاء اور زہریلے مادہ (Toxins) کو جسم سے نکلنے کا موقع مل جاتا ہے جس سے جسم کی ایک قسم کی اوورہالنگ (Overhauling) ہو جاتی ہے۔دوسو سال پہلے امریکہ کے نامور مفکر، سیاستدان اور سائنسدان بینجمن فرنکلن (Benjamin Franklin) نے کم کھانے کی اسی اہمیت کے پیش نظر اپنی کتاب "Poor Richard`s Almanack" میں یہ قول زریں رقم کیا تھا:

"To lengthen thy life, lessen thy meals"

(اگر اپنی زندگی لمبی کرنی ہے تو اپنی خوراک کم کر دو۔)

یہی نہیں بلکہ بینجمن فرنکلن سے بھی کئی صدیاں پہلے حضرت فتح موصلیؒ نے تو یہاں تک فرما دیا تھا:

''میں نے تیس (30) ابدال کی صحبت اٹھائی۔ سب نے یہی کہا کہ خلق کی صحبت سے بچو، کم کھاؤ اور کم بولو۔''

اسی طرح ایک جرمن کا محاورہ ہے: ''جب معدہ بھرا ہوا اور مصروف ہو تو دماغ سوچنا پسند نہیں کرتا۔''

بسیار خوری سے اجتناب کے متعلق حدیث میں رسول کریمؐ نے فرمایا:

مَامَلاَءَ اٰدَمِیٌّ وِعَآءً شَرًّا مِنْ بَطْنٍ بِحَسْبِ ابْنِ اٰدَمَ اُکُلاَتٌ یُقِمْنَ صُلْبَہٗ فَاِنْ کَانَ لَامَحَالَۃَ فَثُلُثٌ لِطَعَامِہٖ وَثُلُثٌ لِشَرَابِہٖ وَثُلُثٌ لِنَفْسِہٖ. (ترمذی۔ مُسند احمد) (1)

''کوئی شخص بھی پیٹ سے برا برتن نہیں بھرتا۔ ابن آدم کی کمر کو سیدھا رکھنے کے لیے چند لقمے کافی ہوتے ہیں۔ لیکن اگر وہ زیادہ کھانا چاہتا ہے تو معدے کے ایک تہائی (One third) حصے کو خوراک سے بھرے، ایک تہائی حصے کو پانی سے بھرے اور ایک تہائی حصے کو ہوا کے لیے چھوڑ دے۔''

یہ الفاظ رحمت عالمؐ نے چودہ سو سال پہلے فرمائے تھے۔ آج علم تشریح الاعضاء (Anatomy) کے علم نے ہمیں بتایا ہے کہ معدے کا اوپر کا حصہ، ڈایا فرام (Diaphragm) کے بالکل نیچے واقع ہوتا ہے جو کہ پھیپھڑوں کو حرکت دینے اور سانس لینے کے لیے سب سے اہم عضلہ (Muscle) ہوتا ہے۔ چنانچہ جب ہم معدے کو کھانے سے مکمل طور پر بھر لیں تو اس صورت میں ڈایا فرام کو حرکت کرنے میں دقت پیش

---

1) امام ترمذی نے اِس حدیث کو حسن صحیح کا درجہ دیا ہے (حدیث 2380) اور شیخ ناصر الدین البانی نے بھی اِس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

آتی ہے اور انسان کے لیے بھرے ہوئے پیٹ کی صورت میں سانس لینا دشوار ہو جاتا ہے۔ اس حدیث کی حکمت ہمیں آج سمجھ میں آئی ہے۔ پس روزہ ہمیں یہ درس دیتا ہے کہ بسیار خوری کی عادت سے اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ زیادہ کھانا کھانے اور اپنی بھوک کو کنٹرول میں نہ رکھنے کے بے شمار نقصانات ہیں جیسا کہ مندرجہ بالا احادیث میں بیان ہوا ہے۔

انسانی دل پر چاند کے اثرات اور ہر ماہ کے تین نفلی روزے

رمضان کے فرض روزوں کے علاوہ دیگر مہینوں میں نفلی روزوں کا رکھنا سنت ہے جن میں شوال کے چھ روزے، ۹ ذی الحجہ کا روزہ، ہر دو دنوں میں سے ایک دن کا روزہ (جسے صوم داؤدی کہتے ہیں)، ہر ماہ میں تین دن کے روزے شامل ہیں۔ چونکہ اسلام کی تمام تعلیمات نہایت گہری حکمتوں پر مبنی ہوتی ہیں، اس لیے فرض روزوں کی طرح نفلی روزوں کا مقصد بھی انسان میں تقویٰ پیدا کرنا اور معاشرے کو فائدہ پہنچانا ہے۔

اگر ہم قرآن وحدیث کی تعلیمات پر غور کریں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ انسانی سیرت کا سب سے بڑا دشمن شیطان ہے جس کے متعلق اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے:

إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿ (سورہ یٰسٓ:۶۰)

ترجمہ: ''بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔''

اور دوسری جگہ اللہ نے ہمیں اِن الفاظ میں تنبیہ (warning) دی ہے:

إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا ﴿ (سورہ فاطر:۶)

''درحقیقت شیطان تمہارا دشمن ہے اِس لیے تم بھی اُسے اپنا دشمن ہی سمجھو۔''

شیطان انسان کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے اور کبھی انسانی صورت میں آ کر اُس کو

بھٹکاتا ہے۔ اگر ہم غور کریں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ روزہ، شیطان کے مقابلے میں بہت کارگر ثابت ہوتا ہے۔ حضورؐ نے ایک حدیث میں فرمایا

اِنَّ الشَّیْطَانَ یَجْرِی مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرِیَ الدَّمِ .

''شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح گردش کرتا ہے۔'' (صحیح بخاری)

چونکہ شیطان جسم انسانی میں خون کی طرح دوڑتا ہے اس لئے اُس کے راستوں کو بھوک یعنی روزے کے ذریعے بند کیا جاسکتا ہے۔

یہاں پر ہم جملہ معترضہ کے طور پر یہ بھی بتاتے چلیں کہ مغربی سائنسدان یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انسانی جسم میں خون کی گردش کی دریافت کا سہارا برطانوی سائنسدان ولیم ہاروے (William Harvey) کے سر ہے جس نے یہ بات ۱۶۲۸ء میں دریافت کی اور اپنی کتاب "On the Motion of Heart and Blood in Animals" میں یہ دریافت بیان کی لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ولیم ہاروے سے کئی سو سال پہلے حدیث میں ہمیں بتا دیا تھا کہ شیطان بھی ہمارے جسم میں اسی طرح گردش کرتا ہے جس طرح خون گردش کرتا ہے! اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ اسلام دنیا کا سب سے زیادہ ماڈرن مذہب ہے اور اسلامی تعلیمات کو جو لوگ دقیانوسی سمجھتے ہیں اور اسلام کے خلاف جو لوگ ''روشن خیالی'' کا نعرہ بلند کرتے ہیں، درحقیقت سب سے زیادہ ''تاریک خیال'' اور دقیانوسی (Backward) وہ لوگ خود ہیں۔

ایک دوسری حدیث میں حضورؐ نے فرمایا:

كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهُ اِلَّا الصِّيَامَ فَاِنَّهُ لِیْ ، وَاَنَا اَجْزِی بِهِ ، وَالصِّيَامُ جُنَّةٌ. (بخاری۔مسلم)

''انسان کا ہر عمل اُس کی اپنی ذات کے لئے ہوتا ہے سوائے روزے کے کہ روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اُس کی جزا دوں گا اور روزہ ڈھال ہے۔''

یعنی شیطان اور نفس کے حملوں کے خلاف ڈھال کی طرح دفاع کا بہترین ذریعہ روزہ رکھنا ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ماہِ رمضان کے فرض روزوں کے علاوہ نفل روزوں کے اہتمام کی تلقین کی۔ اِس حوالے سے حضورؐ نے احادیث میں ہر ماہ تین نفلی روزے رکھنے کا حکم بھی دیا ہے۔ چنانچہ حضورؐ نے ایک حدیث میں فرمایا:

صوم ثلاثة أيام من كل شهر صوم الدهر كله (صحیح بخاری)

''ہر مہینے تین نفلی روزے (اجر و ثواب میں) سارے سال روزے رکھنے کے برابر ہیں۔''

عبداللہ بن عباسؓ ایک دوسری حدیث روایت کرتے ہیں:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يدع صوم البيض فى سفر ولا حضر (سنن النسائى) (1)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایامِ بیض کے روزے کبھی بھی نہ چھوڑتے تھے چاہے سفر ہو یا حضر۔''

اِسی طرح ایک حدیث میں حضورؐ نے فرمایا:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يامرنا ان نصوم البيض

---

1) سنن النسائی (221/4) کے علاوہ امام طبرانی نے المعجم الأوسط (11/2 حدیث نمبر 12320) میں اِس حدیث کو روایت کیا ہے۔ شیخ البانی نے صحیح الجامع (حدیث نمبر 4848) میں اِس حدیث کو صحیح کا درجہ دیا ہے۔

ثلاث عشرۃ واَربع عشرۃ وخمس عشرۃ .

(سنن النسائی الکبرٰی) (1)

''رسول کریمؐ ہمیں ایامِ بیض (سفید دنوں) کے تین روزے رکھنے کا حکم فرمایا کرتے تھے جو کہ ہر ماہ کی چاند کی تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں تاریخ کو ہوتے ہیں۔''

ایک اور حدیث میں حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:

اَمرنا کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَن نصوم من الشھر ثلاثۃ ایام البیض، ثلاث عشرۃ واَربع عشرۃ وخمس عشرۃ . (سنن النسائی، ابن حبان) (2)

''اگر تم مہینے میں تین روزے رکھو تو (چاند کی) 13، 14 اور 15 تاریخوں کے روزے رکھو۔''

اِن احادیث میں یہ بات غور طلب ہے حضورؐ نے بالخصوص چاند کی ۱۳، ۱۴ اور ۱۵ تاریخوں کو نفلی روزے رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اس کی آخر کیا وجہ ہے؟ حال ہی میں اِس سلسلے

---

1) سنن النسائی الکبرٰی (138/2) کے علاوہ امام طبرانی نے المعجم الکبیر (15/19 حدیث نمبر 23) میں اِس حدیث کو روایت کیا ہے۔ شیخ البانی نے صحیح الترغیب و الترھیب (251/1 حدیث نمبر 1039) میں اِس حدیث کو صحیح لغیرہ کا درجہ دیا ہے۔

2) سنن النسائی (222/4 حدیث نمبر 2422) کے علاوہ امام ابن حبان نے صحیح ابن حبان (415/8 حدیث نمبر 3656) میں اِس حدیث کو روایت کیا ہے اور امام بیہقی نے شعب الایمان (389/3 حدیث نمبر 3848) میں بھی اِس حدیث کو روایت کیا ہے۔ شیخ شعیب الارنؤوط نے صحیح ابن حبان کی احادیث کی تحقیق میں اِس حدیث کی سند کو حسن کا درجہ دیا ہے۔

میں نہایت اہم سائنسی تحقیقات منظر عام پر آئی ہیں۔

امریکہ کی ریاست فلوریڈا کے سائنسدان ڈاکٹر آرنلڈ لیبر (Arnold Leiber M.D.) جو کہ میامی ہارٹ انسٹی ٹیوٹ (Miami Heart Institute) کے شعبہ سائیکاٹری (Psychiatry) کے چیئرمین ہیں انہوں نے میامی یونیورسٹی میڈیکل سکول میں چاند کے انسانوں کی شخصیت پر اثرات کے حوالے سے نہایت وسیع تحقیقات کی ہیں جو انہوں نے اپنی کتاب "How the Moon Affects You" (مطبوعہ نیویارک، ۱۹۹۶ء) میں بیان کی ہیں۔ ڈاکٹر لیبر نے اپنی تحقیقات کی ابتداء سے پہلے یہ مشاہدہ کیا کہ ہسپتال کے ایمرجنسی وارڈز میں چاند کی درمیانی تاریخوں (بالخصوص چودھویں کی رات کو) حادثات قتل کے واقعات اور ذہنی بیماری کے مریض عام دنوں کی نسبت زیادہ آتے تھے۔ اس مشاہدے کی سائنسی تحقیق کی غرض سے ڈاکٹر لیبر نے امریکی ریاست اوہایو کے شہر کلیولینڈ (Cleveland) میں ۱۹۵۶ء سے لے کر ۱۹۷۰ء تک پندرہ سالوں میں 2008 قتل کے واقعات کا تجزیہ کیا جن کے قتل کے وقت کا ریکارڈ موجود تھا۔ اسی طرح امریکی ریاست فلوریڈا کے شہر میامی کی ڈیڈ کاؤنٹی (Dade County) میں اُنہی پندرہ سالوں میں جو 1887 قتل کے واقعات ہوئے تھے اُن کے اوقات کا تجزیہ کیا۔ یہ تحقیقات American Journal of Psychiatry کے ۱۹۷۲ء کے شمارے میں چھپیں۔ ان تحقیقات کا نچوڑ بہت حیران کن تھا کہ ان دونوں شہروں میں پورے پندرہ سال ہر مہینے جو قتل کی وارداتیں ہوتی تھیں اُن کی سب سے زیادہ تعداد چودھویں کی رات کو ہوتی تھی۔ ڈاکٹر لیبر کے الفاظ میں:

"The homicides peaked at full moon." (1)

---

1) Leiber, A.L. & Sherin, C.R. (1972). "Homicides and the Lunar Cycle: Toward a Theory of Lunar Influence on Human Emotional Disturbances." American Journal of Psychiatry 129; 69-74.

اسی طرح ایک دوسری تحقیق جو امریکہ کے نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف مینٹل ہیلتھ رپورٹ (NIMH Report) کے دسمبر ۱۹۷۷ء میں چھپی جس کا عنوان تھا: "Correlating Crime with Lunar Cycles" یعنی ''جرائم کا چاند کے ادوار کے ساتھ تعلق۔'' اس ریسرچ کے سائنسدان ڈاکٹر ایڈورڈ مالسٹرام (Dr. Edward Malmstrom) نے ۱۹۵٦ء سے ۱۹۷۰ء کے درمیان ریاست کیلیفورنیا کے Alameda County میں ریاست کولوریڈو کے شہر ڈنور (Denver) میں قتل اور خودکشی کی وارداتوں کا تجزیہ کیا تو اسی نتیجے پر پہنچے کہ قتل اور خودکشی کے واقعات سب سے زیادہ چاند کی درمیان کی تاریخوں میں ہوئے۔

مزید برآں، ریاست سنسی نیٹی (Cincinnati) کے ایجکلف کالج (Edgecliff College) کی دو محقق خواتین جوڈی ٹیسو اور الیز بتھ ملر (شعبہ نفسیات) نے اپنے ۱۹۷٦ء کی تحقیق جو "Journal of Psychology" میں چھپی، یہ ثابت کیا کہ جب چاند پورا ہوتا ہے تو چوری، ڈاکہ زنا، شراب خوری، توڑ پھوڑ، عصمت دری وغیرہ کے واقعات بہت بڑھ جاتے ہیں۔ یعنی ایک ایسا آدمی جو پہلے ہی ذہنی دباؤ کا شکار ہو تو چاند کی کشش کی وجہ سے اس کے دل کی دھڑکن مزید تیز ہو جاتی ہے۔ اور ایسا شخص کوئی نہ کوئی جرم کر گزرتا ہے۔ ان تحقیقات پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر آرنلڈ لیبر اپنی کتاب How the Moon Affects You میں لکھتا ہے:

"In any event, there now is evidence that the lunar cycle can trigger excitement in the hearts of animals, inclding the human animal, already set at edge by circumstances. Changes in water flow among the fluid compartments of the body and an increase in the heart rate would certainly make

a person more likely to lose his cool in an emotional situation." (1)

دلچسپ بات یہ ہے کہ سائنسدان ڈاکٹر لیبر(Dr. Leiber)نے تحقیقات کے خلاصے میں مذکورہ بالا بیان میں اس بات کو تسلیم کیا کہ ہمارے جسم میں موجود پانی میں چاند کی کشش کی وجہ سے آنے والی تبدیلیوں کی بنا پر انسان دل کی دھڑکن تیز ہوجاتی ہے، جس کی وجہ سے پہلے سے بے چینی کا شکار انسان کبھی آپے سے باہر ہوجاتے ہیں۔

ڈاکٹر آرنلڈ لیبر کے مطابق چونکہ انسان مٹی سے بنا ہے اور اس کے وجود کا ۷۵ فیصد حصہ پانی ہے،جس طرح زمین کا ۷۵ فیصد حصہ پانی ہے اس لیے انسان کے جسم پر بھی چاند کی کشش (Gravitational Pull) کے اثرات مرتب ہوتے ہیں جس طرح سمندروں میں چاند کی کشش کی وجہ سے مدوجزر آتے ہیں۔ جب 13, 14 اور 15 تاریخوں کو چاند اپنے جوبن پر ہوتا ہے تو انسان کے جسم کے پانی (Body Fluids) کو متاثر کرتا ہے،جس کی وجہ سے کئی انسانوں کے مزاج میں بے چینی پیدا ہو جاتی ہے اور کچھ لوگ اسی بے چینی کی وجہ سے جرائم کرگزرتے ہیں۔ان تمام تحقیقات سے ہمیں حضورؐ کے اُس حکم کی حکمت سمجھ میں آتی ہے کہ آخر کیوں حضورؐ نے بالخصوص ایام بیض (چاند کی تیرہ، چودہ اور پندرہ) تاریخوں کو نفلی روزے رکھنے کا حکم دیا ہے۔چونکہ روزہ انسان کو صبر و استقامت کا درس دیتا ہے اور انسان میں تقویٰ پیدا کرتا ہے تو ایسے شخص سے بعید ہے کہ وہ ایسے دنوں میں کوئی جرم اور گناہ کرے۔ واقعی صدق اللہ العظیم و صدق رسولہ الکریم۔

روزہ اور معرکہء روح وبدن

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ''میں لکھتے ہیں کہ انسان کے

---

1) Leiber, Arnold L. (M.D.) (1996) How the Moon Affects You. New York, Hastings House Publishers.

اندر دو قسم کی صفات (ملکات) پائی جاتی ہیں۔ایک ملکہ بہیمیت (terrestrial qualities) یعنی جانوروں کی سی صفات مثلاً کھانا پینا، جنسی عمل اور لڑنے مرنے کی صفات، دوسرا انسان میں ملکہ ملکیت (celestial qualities) یعنی فرشتوں کی سی صفات مثلاً بے غرضی، محبت وخلوص، اطاعت، عبادت کرنے کی خواہش۔ انسانی فطرت کے یہ دونوں جذبے ایک دوسرے کی ضد ہیں۔اگر ہم جسم کے حیوانی تقاضوں (carnal desires) کو پورا کرنے کی فکر میں ہر وقت غرق رہیں گے تو ملکوتی صفات (angelic qualities) دبتی چلی جائیں گی حتیٰ کہ روح پر بے ہوشی کی سی کیفیت طاری ہو سکتی ہے۔اس کے برعکس ہم جس قدر ملکوتی تقاضوں کی آبیاری کریں گے، اسی قدر یہ صفت ہماری حیوانی صفات پر غالب آئے گی۔ اب چونکہ جسم نظر آتا ہے اس لیے اس کے تقاضے پورے کرتے ہوئے بڑی آسانی سے انسان روحانی تقاضوں کو نظر انداز کر دیتا ہے جو کہ اکثر بہت لطیف ہوتے ہیں۔نتیجتاً روح انسان کی جسمانی خواہشات اور تقاضوں کے بوجھ تلے دبتی چلی جاتی ہے۔اس صورت حال میں روزہ فوری طور پر جسم کے حیوانی تقاضوں (مثلاً کھانا، پینا وغیرہ) پر پابندی عائد کر دیتا ہے تاکہ بہیمیت کا زور ٹوٹے اور جسم کے مقابلے میں روح کے تقاضوں پر توجہ دی جا سکے۔اس طرح سے ایک روزہ دار جب روزہ رکھتا ہے تو وہ خود کو اس دنیائے ارضی سے کاٹ لیتا ہے (جس سے یہ جسم پیدا ہوتا ہے) جس میں وہ عارضی طور پر مقیم ہے اور اُس گھر کی تیاری کرتا ہے جہاں اُسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہنا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون﴾ (ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف ہم نے پلٹنا ہے)

قصہ مختصر یہ کہ روزے کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عَلَيْكَ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَا مِثْلَ لَهُ. (سنن النسائی) (1)

''روزے کو اپنے اوپر لازم کرلو کیونکہ اِس جیسی اور کوئی عبادت نہیں۔''

اگر ہم اسلام سے پہلے کے مذاہب پر ہم نظر دوڑائیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کے قبل تمام مذاہب میں روزے کا اصل مقصد کفارہ (Penitence) تھا نہ کہ اجتناب (Abstinence)۔ اِس کے برعکس اسلام چونکہ دین کامل ہے اِس لیے اسلام میں روزے کا تصور بہت وسیع ہے۔ روزے کے اثرات فرد اور معاشرے دونوں پر مترتب ہوتے ہیں۔ بوسنیا کے عظیم مفکر علیجاہ عزت بیگووچ اپنی کتاب ''اسلام مشرق ومغرب کے درمیان'' (مطبوعہ امریکہ ۱۹۹۴ء) "Islam Between East and West" میں لکھتے ہیں:

> ''روزہ صرف ایک انفرادی ایمان کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ ایک معاشرتی ذمہ داری ہے۔ ایک مذہبی عبادت کی ایسی تشریح کسی اور مذہب میں ممکن ہی نہیں۔ اسلام میں روزہ درویشی اور لذت کا حسین امتزاج ہے۔'' (2)

قرآن نے روزوں کا مقصد تقویٰ کی روح پیدا کرنا بیان فرمایا ہے۔ دراصل روزہ انسان میں خداشناسی کا جذبہ پیدا کرتا ہے بلکہ انسان کو مرتبہ احسان تک لے جاتا ہے۔ اُس میں معاشرے کے غریب و مسکین لوگوں کے لیے ہمدردی کا جذبہ ابھارتا ہے اور انسان کو صبر و استقامت کا درس دیتا ہے اور یہی سب سے بڑی کامیابی (فوز الکبیر) ہے۔

---

1) ابو امامۃؓ کی روایت کردہ اِس حدیث کو حافظ المنذری نے ''الترغیب والترھیب'' (2 / 109) میں بھی روایت کیا ہے اور اس کی سند کو صحیح کا درجہ دیا ہے۔

2) Izetbegovic, 'Alija 'Ali (1994). Islam Between East and West. Indiana, American Trust Publications.

زکوٰۃ اور صدقات کی حکمتیں
قرآن اور جدید سائنس کی روشنی میں

زکوٰۃ کے لغوی معنی "بڑھنے" اور "پاک ہونے" کے ہیں۔ شریعت میں زکوٰۃ اس مال کو کہتے ہیں جسے انسان اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے اس کے حق داروں کے لیے نکلتا ہے۔ اسے زکوٰۃ اسی لیے کہا گیا ہے کہ اس سے انسان کا مال پاک بھی ہوتا ہے اور مقدار میں بھی بڑھتا ہے۔ زکوٰۃ اسلام کے پانچ ستونوں میں سے ایک ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: "اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت، نماز کا قائم کرنا، زکوٰۃ کا ادا کرنا، بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔" (بخاری ومسلم)

فرض زکوٰۃ کے علاوہ جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے وہ نفلی صدقہ یا خیرات کہلاتا ہے۔ امام طبریؒ اور دوسرے علماء کے نزدیک اس پر علمائے سلف کا اجماع نقل کیا گیا ہے کہ زکوٰۃ کا اعلانیہ اور نفلی صدقہ چھپا کر دینا افضل ہے (فتح الباری۔ ج ٦۔ ص ٢٢)

قرآن وحدیث میں زکوٰۃ اور صدقات کی بہت فضیلت بیان ہوئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا﴾

(سورۃ توبہ: آیت ۱۰۴)

ترجمہ: ''اے نبیؐ! تم ان کے اموال میں سے صدقہ (یعنی فرض زکوٰۃ اور نفلی صدقہ) وصول کرو جس سے تم اُن کو پاک صاف کر دو گے۔''

نفلی صدقات اور خیرات کسی بھی موقع پر حاجت مندوں کو دیئے جا سکتے ہیں۔ جہاں تک زکوٰۃ کے فرض ہونے کی شرائط، زکوٰۃ جن اموال پر فرض ہے، زکوٰۃ کی ادائیگی اور تقسیم، زکوٰۃ کے مصارف وغیرہ کا تعلق ہے تو اس کی تفصیلات اسلامی فقہ کی کسی کتاب میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ اس مضمون میں زکوٰۃ اور صدقات کے فوائد اور حکمتیں اسلام اور جدید سائنس کی روشنی میں بیان کی جائیں گی کیونکہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا فائدہ ہمیں ہی ہوتا ہے جیسا کہ سورہ البقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَّيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَـٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۗ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنفُسِكُمْ ۚ وَمَا تُنفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ ۚ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴾

(سورہ البقرہ: آیت ۲۷۲)

''اور جو کچھ تم خرچ کرو گے پس اس کا فائدہ تمہیں ہی ہوگا اور تم جو بھی خرچ کرتے تو اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے کرتے ہو اور تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے تمہیں اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا تعلق

ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن میں نماز (صلوٰۃ) اور زکوٰۃ تقریباً ہمیشہ ساتھ ساتھ آتے ہیں:

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضاً حَسَناً ﴿

(سورہ المزمل: آیت ۲۰)

''نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور اللہ کو اچھا قرض (یعنی اللہ کی راہ میں صدقہ خیرات) دیتے رہو۔''

عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا:

''تمہیں نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جو شخص زکوٰۃ ادا نہیں کرتا اُس کا نماز میں کوئی حصہ نہیں۔''

صلوٰۃ اور زکوٰۃ کے اسی تعلق کی وجہ سے جب ابوبکر صدیقؓ نے زکوٰۃ دینے سے انکار کرنے والے قبیلے کے خلاف جہاد کا ارادہ کیا تھا تو اس موقع پر فرمایا تھا:

وَاللهِ لَأُقَاتِلَنَّ مَن فَرَّقَ بَينَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ فَإِنَّ الزَّكَاةِ حَقُّ الْمَالِ (بحوالہ: طبقات ابن سعد، جلد 2)

''میں قسم کھاتا ہوں کہ میں ہر اُس شخص سے جہاد کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا۔''

جب عمرؓ بن خطاب نے خلیفہ اوّل ابوبکر صدیقؓ کو مانعین زکوٰۃ کے معاملے میں نرمی کرنے کو کہا تو ابوبکر صدیقؓ نے عمرؓ بن خطاب کے گریبان کو پکڑ کر کہا:

'' أَجَبَّارٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خَوَّارٌ فِي الْإِسْلَامِ يَا عُمَر ؟ ''

(اے عمر، تم اسلام قبول کرنے سے پہلے تو بڑے سخت تھے، اب اسلام قبول کرنے کے بعد کیوں اتنے بزدل ہو گئے ہو۔)

دراصل نماز ہمارے اللہ سے رابطے کا مظہر ہے تو دوسری طرف زکوٰۃ اللہ کی مخلوقات سے تعلق کا اظہار ہے۔ صلوٰۃ ہماری اللہ سے محبت کی نشانی ہے تو زکوٰۃ مخلوق خدا سے محبت کی دلیل۔ ڈاکٹر علی شریعتی نے اپنی کتاب "On the Sociology of Islam" میں لکھتے ہیں کہ "قرآن کی ابتداء "اللہ" کے نام سے (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) سے ہوتی ہے تو قرآن کا اختتام "الناس" (عوام) پر ہوتا ہے۔ یعنی یہ کتاب اللہ اور انسانوں کے درمیان ایک تعلق ہے۔

اگر دیکھا جائے صلوٰۃ دراصل "اللہ" سے تعلق ظاہر کرتی ہے اور زکوٰۃ دراصل "الناس" سے تعلق۔ اب چونکہ زکوٰۃ صاحب نصاب شخص ہی دیتا ہے یعنی جس کے پاس اتنے پیسے ہوں کہ اُس پر زکوٰۃ لگتی ہو اور قرآن نے نماز اور زکوٰۃ کو ساتھ ساتھ رکھا ہے اس لیے جو شخص نماز قائم کرنے کی پابندی کرے گا، ان شاء اللہ اُسے اللہ اِس قابل کردے گا کہ وہ زکوٰۃ بھی ادا کر سکے۔

مزید برآں بوسنیا کے عظیم اسلامی مفکر علی جاہ علی عزت بیگووچ اپنی کتاب "Islam Between East and West" میں نماز اور زکوٰۃ کے تعلق کے بارے میں رقمطراز ہیں:

"نماز میں ایک روحانی خصوصیت پائی جاتی ہے جبکہ زکوٰۃ میں ایک معاشرتی خصوصیت۔ نماز کا رُخ انسان کی طرف ہے جبکہ زکوٰۃ کا رُخ دنیا کی طرف۔ نماز انسان کی شخصیت کو سنوارتی ہے جبکہ زکوٰۃ معاشرتی ڈھانچے کو درست کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر علماء اِس نتیجہ پر پہنچے کہ نماز کا زکوٰۃ کے بغیر کوئی فائدہ نہیں۔" (1)

---

(1) Izetbegovic, 'Alija 'Ali (1994). Islam Between East and West. Indiana, American Trust Publications.

دراصل صلوٰۃ اور زکوٰۃ میں وہی تعلق ہے جو ایمان اور عمل صالح میں ہے (جو کہ قرآنی احکامات کی بنیاد ہے) صلوٰۃ اور زکوٰۃ دو ایسے ستون ہیں جن پر تمام اسلامی معاشرے کی عمارت کھڑی ہے۔سورہ البقرہ کی آیت ۲۷۷ میں صلوٰۃ اور زکوٰۃ کے ایمان اور عمل صالح سے اسی تعلق کو بیان کیا گیا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُواْ وَعَمِلُواْ الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُواْ الصَّلاَةَ وَآتَوُاْ الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿ (سورہ البقرہ: ۲۷۷)

''جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے وہ نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اُن کا اجر بے شک ان کے رب کے پاس ہے۔اُن کے لئے (روزِ قیامت) کوئی خوف اور کوئی غم نہیں ہوگا۔''

صدقہ اور تقویٰ کا تعلق

ایک سوڈانی عالم اسلام شیخ ڈاکٹر عبداللہ ادریس علی کے مطابق قرآن میں تقریباً جہاں بھی ''تقویٰ'' (خدا خوفی) کا ذکر آیا ہے وہاں پر ساتھ ہی ''انفاق فی سبیل اللہ'' (زکوٰۃ وخیرات وصدقات) کا ذکر بھی آیا ہے جس کا مطلب ہے کہ تقویٰ، اللہ کی راہ میں خرچ کیے بغیر حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى ﴿ (سورہ اللیل۔آیت ۵)

ترجمہ: ''جس نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور تقویٰ اختیار کیا۔''

ہم قرآن میں یہ بھی دیکھتے ہیں جیسا کہ مفسر قرآن مولانا امین احسن اصلاحی نے بیان کیا تھا کہ قرآن میں جہاں بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا ذکر ہے وہاں اُس کی ضد

یعنی بخل (کنجوسی) یا سود کا موضوع بھی بیان ہوا ہے۔ انفاق کی ضد بیان کر کے انفاق کے تصور کو مزید اجاگر کیا گیا ہے۔(تفسیر تدبر القرآن۔جلد ا)

اسی طرح سورہ آل عمران میں جہاں ایسے لوگوں کا ذکر ہے جو تقویٰ کی روش اختیار کرتے ہیں وہاں اُن لوگوں کی یہ صفات بیان ہوئی ہیں:

الصَّابِرِيْنَ وَالصَّادِقِيْنَ وَالْقَانِتِيْنَ وَالْمُنفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْأَسْحَارِ ﴿ (سورہ ال عمران: آیت ۱۷)

''یہ لوگ صبر کرنے والے ہیں، راست باز ہیں، فرمانبردار ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے ہیں اور رات کی آخری گھڑیوں میں اللہ سے مغفرت طلب کرتے ہیں۔''

اِس آیت میں نظم قرآن کے لحاظ سے ایک لطیف اشارہ موجود ہے۔چونکہ ''مُنْفِقِیْن'' کا ذکر ''مُسْتَغْفِرِیْن بِالْاَسْحَار'' سے پہلے ہوا ہے اِس لیے ہم رات کی تنہائیوں میں مغفرتِ رب کے مقام کو اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے بعد ہی پہنچ سکتے ہیں۔

زکوٰۃ وخیرات کے طبی فوائد

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اُس کی دولت میں اضافہ ہوا اور اُس کی عمر لمبی ہو تو اُسے چاہیے کہ وہ صلہ رحمی کرے (یعنی اپنے رشتہ داروں کا خیال کرے اور ان کی مالی لحاظ سے بھی خبر گیری کرے)۔'' (صحیح بخاری)

ایک دوسری حدیث میں رسول پاکؐ نے فرمایا:

اِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِیءُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ عَنْ مِیْتَةِ السُّوْءِ .

''بیشک صدقہ اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بری موت سے بچاتا ہے۔''

(جامع الترمذی) (1)

رسول کریمؐ کی بیان کی گئی حکمت کو آج چودہ سو سال کے بعد اب جدید سائنس سمجھنا شروع ہوئی ہے۔ ۱۹۶۷ء سے ۱۹۶۹ء میں امریکی ریاست مشی گن کے علاقے ٹیکم سے (Tecumseh) کے باشندوں میں امریکی سائنسدانوں ڈاکٹرز ہاؤس، رابن اور میٹزنر نے تحقیق کی جو ۱۹۸۲ء میں میڈیکل جریدے (American Journal of Epidemiology) میں چھپی۔ اس تحقیق میں 2754 لوگوں پر بارہ سال تک میڈیکل ٹیسٹ اور انٹرویوز کیے گئے۔ اس تحقیق کا خلاصہ یہ تھا کہ جو لوگ معاشرے میں لوگوں سے اچھے تعلقات رکھتے ہیں اور معاشرے میں متحرک ہوتے ہیں یعنی لوگوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں، اُن کی عمریں اُن لوگوں کے مقابلے میں لمبی ہوتی ہیں جو اِن صفات کے حامل نہیں ہوتے۔(2)

زکوٰۃ، صدقہ وخیرات کے ذریعے جب بندہ معاشرے کے غریبوں کی مدد کرتا ہے تو نہ صرف اسے روحانی سکون نصیب ہوتا ہے بلکہ اس کا دل بھی محبت اور ہمدردی کے جذبات سے بھر جاتا ہے اور اس چیز کے بذات خود جسم پر بہت گہرے اور دور رس اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ مغربی سائنسدان رولن میکرٹی (Rollin McCarty) کی ایک تحقیق جو (Integrative Physiological & Behavioral Science) کے ۱۹۹۸ء کے شمارے میں چھپی، میں بتایا ہے کہ جب انسان کے اندر مثبت جذبات یعنی خوشی،

---

1) امام ترمذی نے اِس حدیث کو حسن غریب کا درجہ دیا ہے۔ امام ابنِ حبان نے بھی صحیح ابنِ حبان میں اِس حدیث کو حسن کا درجہ دیا ہے۔

2) House, J.S., Robbins C., & Metzner H. (1982) The association of social relationships and activities with mortality: Prospective evidence from the Tecumseh Community Health Study. *American Journal of Epidemiology* 116:123-140.

لوگوں کا خیال کرنا (Care)، لوگوں کے لیے رحم (Compassion) لوگوں کی فکر کرنا (Appreciation) جیسے جذبات پیدا ہوتے ہیں تو جسم میں کیمیاوی مادہ کارٹیسول (Cortisol) کی مقدار کم ہوتی ہے جو کہ اچھی بات ہے کیونکہ کارٹیسول انسان کو جلدی بوڑھا کر دیتا ہے۔اس کے برعکس دوسرے کیمیاوی مادے "DHEA" کی پروڈکشن بڑھ جاتی ہے جو کہ جسم میں جوڑنے کا عمل کرتا ہے اور بڑھاپے کے اثرات کو روکتا ہے۔ (1)

اس سے بھی زیادہ دلچسپ سائنسی تحقیق امریکی سائنسدان گلین رین (Glen Rein Ph.D.) اور اُن کے معاون نے حال ہی میں کی ہے جو کہ (Journal of Advancement in Medicine) کے ۱۹۹۵ء کے شمارے میں چھپی ہے۔ اس تحقیق میں جو کہ ۳۰ مردوں اور عورتوں پر کی گئی تھی انہوں نے ان کے جسم کے دفاعی نظام (Immune System) کی کارکردگی کا جائزہ لیا، تجربات کے دوران انہیں پہلے انڈیا کی مدر ٹیریسا (Mother Teresa) کی وڈیو دکھائی گئی جس میں وہ انڈیا کے انتہائی غریب لوگوں کی مالی مدد کر رہی تھی اور پھر دوسرے تجربے میں ان لوگوں کو کہا کہ وہ اپنے دل میں دوسرے لوگوں کے لیے ہمدردی اور ان کی مدد کرنے کی خواہش (Compassion and Care) کے احساسات پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ دوسرے گروپ کو ایک طرف تو جنگی مظالم کی وڈیوز دکھائی گئیں اور اُس کے علاوہ انہیں کہا گیا کہ وہ ماضی کے مایوس کن واقعات یاد کریں۔اِن تجربات میں یہ دیکھا گیا کہ جس گروپ نے مادام ٹیریسا کی وڈیو میں غریب لوگوں کی مدد ہوتی دیکھی یا لوگوں کے لیے اپنے دل میں ہمدردی و محبت کے جذبات پیدا کیے اُن کے جسم کی دفاعی افواج (اینٹی باڈیز

1) McCraty, R., B. Barrios-Choplin , D. Rozman , M. Atkinson, A. Watkins. (1998) "The impact of a new emotional self-management program on stress, emotions, heart rate variability, DHEA and cortisol." Integrative Physiological and Behavioral Science 33(2): 151-170.

بالخصوص IgA) کی سطح میں ۴۱ فیصد اضافہ ہوا اور یہ اضافہ اگلے چھے گھنٹوں تک کے لیے رہا۔ اینٹی باڈیز (Antibodies) انسان کے جسم کو ہر قسم کے جراثیم (بیکٹیریا، وائرس وغیرہ) کے حملوں سے بچاتی ہیں۔ ایڈز کے مریضوں میں انہی اینٹی باڈیز کے فقدان کی وجہ سے مقابلہ کرنے کی صلاحیت نہیں رہتی اور وہ ہر قسم کی بیماری کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان تجربات میں جن لوگوں نے مایوسی کا تصور کیا اُن کے جسم کا دفاع اگلے چھ گھنٹوں تک کے لیے کمزور رہو گیا۔ اِس سے ہم کنجوسی (جو مایوسی کی ایک قسم ہے) کے برے اثرات کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ (1)

اِس تحقیق سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اگر غرباء و مساکین کی مدد کرنے کے تصور سے ہی انسان کے جسم کے دفاعی نظام میں اتنی مضبوطی آ جاتی ہے تو اُن کی فی الحقیقت مدد کرنے کے انسان کے جسم پر کتنے اچھے اثرات مرتب ہوتے ہوں گے جو کہ انسان کی عمر لمبی ہونے کا باعث بنتے ہیں۔ اسی لیے امریکہ کے ہارٹ میتھ انسٹی ٹیوٹ (Heart MathInstitute) کے سائنسدان ڈاک چلڈر اپنی کتاب "The Heart Math Solution" میں رقمطراز ہے:

''بہت سی سائنسی تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ جب انسان کا خیال رکھا جائے اور وہ دوسرے لوگوں کا خیال رکھے اور اُن سے ہمدردی کا مظاہرہ کرے تو یہ چیز صحت کو بہتر بنانے اور درازی عمر میں زیادہ اہم کردار ادا کرتی ہے بہ نسبت غم، بلڈ پریشر، کولیسٹرول یا تمباکو نوشی وغیرہ۔'' (2)

---

1) Rein, Glen, Mike Atkinson and Rollin McCraty (Summer 1995). "The Physiological and Psychological Effects of Compassion and Anger." Journal of Advancement in Medicine 8(2).

2) Childre, Doc & Martin, Howard (1999). The HeartMath Solution. New York, HarperSanFrancisco.

دایاں و بایاں دماغ اور صدقہ وخیرات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کو ایسے صدقہ دینا چاہیے کہ اُس کے بائیں ہاتھ کو نہ پتہ چلے کہ اُس کے دائیں ہاتھ نے کیا دیا ہے۔ ایسا شخص قیامت کے روز عرشِ الٰہی کے سائے تلے ہوگا: رَجُلٌ تَصَدَّقَ اَخْفَی حَتّٰی لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهُ (صحیح بخاری)

اِس ارشادِ نبوی کے ظاہری معنی تو یہ ہیں کہ انسان کو صدقہ وخیرات اس طرح دینا چاہیے کہ لوگوں کو اس کی خبر نہ ہو۔ تاہم اس میں انتہائی گہری حکمت بھی پوشیدہ ہے جو کہ صرف آج کے سائنسی دور میں ہی سمجھ آ سکتی تھی۔ جدید علم تشریح الاعضاء (Anatomy) اور بائیوسائیکالوجی (Biopsychology) کی تحقیقات کی روشنی میں انسانی دماغ کے دو حصے ہوتے ہیں۔ دایاں اور بایاں Hemispheres (Left and Right Brain) ان دونوں حصوں کو ایک باریک جھلی (Corpus Collusum) ایک دوسرے سے جدا کرتی ہے۔ دماغ کے دائیں اور بائیں حصے مختلف فرائض انجام دیتے ہیں۔ انسان کا بایاں دماغ حساب کتاب، منطق، باریک بینی، الفاظ ولغت کا سیکھنا وغیرہ جیسے معاملات طے کرتا ہے۔ اس کے برعکس انسان کا دایاں دماغ (Right Brain) جذبات واحساسات، معاملات کو کلی طور پر دیکھنا قوت تخیل وغیرہ جیسے فرائض انجام دیتا ہے۔

حضور ؐ کی اوپر بیان کی گئی اِس حدیث سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ جب ہم دائیں دماغ کے زیراثر صدقہ دیں تو بائیں دماغ کو خبر نہیں ہونی چاہیے کیونکہ دایاں دماغ (Right Brain) تو جذبات واحساسات کا خیال کرتا ہے اور معاملات کو کلی طور پر دیکھتا ہے کہ کس طرح اللہ کے راستے میں خرچ کرنے سے انسان کو دنیا میں بھی مزید ملتا ہے

اور آخرت میں بھی۔ دائیں دماغ کی قوت متخلیہ سے انسان جنت کی نعمتوں کا تصور کر سکتا ہے۔ اس کے برعکس بایاں دماغ (Left Brain) چونکہ منطقی لحاظ سے سوچتا ہے، اس لیے وہ حساب کتاب میں پڑ جاتا ہے اور انسان کو کہتا ہے کہ اُس نے یہ پیسہ اتنی محنت سے کمایا ہے وہ اسے دوسروں پر آخر کیوں خرچ کرے جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے:

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ﴾ (سورہ الھمزہ ۲:۲)

ترجمہ: ''جس نے مال جمع کیا اور اُسے گن گن کر رکھا۔''

بائیں دماغ کی اسی حساب کتاب کی نیچر کے متعلق مغربی ماہر نفسیات میہالی (Mihaly) نے اپنی کتاب "The Evolving Self" (مطبوعہ نیویارک، ۱۹۹۳ء) میں لکھا تھا کہ بائیں دماغ کا رجحان زیادہ تر مایوسی (Pessimism) کی طرف ہوتا ہے۔ اسے ہر وقت موت کا خوف رہتا ہے اس لیے جب انسان سو رہا ہو تب بھی یہ جاگ رہا ہوتا ہے۔ دراصل اُسے اپنی فنا کا خوف ہوتا ہے۔ بائیں دماغ کے اسی فنا کے خوف کا شیطان استحصال کرتا ہے جب وہ انسان کو صدقہ و خیرات کرتے ہوئے فقر سے ڈراتا ہے کہ اللہ کے راستے میں خرچ نہ کرو ورنہ تمہارے پاس کچھ نہیں بچے گا جیسا کہ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ ﴾ (سورہ البقرہ: آیت ۲۶۸)

ترجمہ: ''شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے۔''

امریکہ کے نامور سائنسدان پال پیئرسل (Paul Pearsall, Ph.D.) اپنی کتاب "The Heart's Code" میں لکھتے ہیں کہ ''انسان کا بایاں دماغ حسابی اور بے حس قسم کا منطقی ہوتا ہے جبکہ دایاں دماغ حساس، جذباتی اور لوگوں

کا خیال کرنے والا ہوتا ہے اور آج کے مادہ پرستانہ دور میں دنیا کے لالچ میں لوگ بایاں دماغ زیادہ استعمال کرتے ہیں جبکہ اس امر کی ضرورت ہے کہ لوگ اپنے حساس دماغ استعمال کرتے ہوئے لوگوں کی مدد کریں۔'' (1)

ہمارے نبیؐ نے چودہ سو سال پہلے ہمیں اس بات کا درس دے دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ غزوۂ تبوک میں جب حضورؐ نے ابوبکر صدیقؓ سے پوچھا کہ وہ اپنے گھر والوں کے لیے بھی کچھ چھوڑ کر آئے ہیں یا سب کچھ صدقہ کر رہے ہیں تو صدیقؓ نے فرمایا تھا کہ وہ اُن کے لیے اللہ اور اُس کے رسولؐ کا نام چھوڑ آئے ہیں:

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیقؓ کے لیے ہے خدا کا رسول بس

نیکی کے کاموں میں آسانی

اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کے لیے نیکی کے کام کرنے میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔ وگرنہ اس دنیا میں یہ قاعدہ ہے کہ نیکی کی راہ مشکل ہوتی ہے اور گناہ کا راستہ آسان۔ اس لیے اسلامی اصطلاح میں جنتیوں کے لیے ''درجات'' (بلندی کے زینے) استعمال ہوا ہے جن پر چڑھنا دشوار ہوتا ہے جبکہ جہنمیوں کے لیے ''درکات'' (نیچائی کی گہرائیاں) کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے کیونکہ گہرائی کی طرف جانا آسان ہوتا ہے۔ لیکن صدقہ ایک ایسا عمل ہے کہ اس کی وجہ سے جنت کی بلندیوں کی طرف چڑھنا اللہ تعالیٰ آسان کر دیتا ہے۔ اسی مضمون کی طرف سورۃ البلد میں اشارہ ہے:

---

1) Pearsall, Paul Ph.D. (1998). The Heart's Code. New York, Broadway Books.

وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ ﴿ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿ أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ﴿ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿ أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿ (سورۃ البلد: آیات ۱۶-۱۰)

''اور دونوں نمایاں راستے انسان کو (اللہ نے) دکھا دیئے۔ مگر اُس نے دشوار گزار چڑھائی کی طرف جانے والے راستے پر جانے کی ہمت نہ کی، اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ دشوار گزار گھاٹی؟ کسی گردن کو غلامی سے چھڑانا (یعنی کسی کا قرض ادا کروا دینا) یا فاقے کے دن کسی قریبی یتیم یا خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا۔''

اِن آیات میں اللہ فرما رہا ہے کہ ''عقبہ'' وہ دشوار گزار راستہ جو بلندی پر جانے کے لیے پہاڑوں پر سے گزرتا ہے کیونکہ یہ نیکی کا راستہ ہے۔ لیکن جب انسان کا دل مال کی محبت اور بخالت کی بیماری سے پاک ہو جائے تو اُس کے لیے اللہ تمام نیکیاں آسان کر دیتا ہے جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے:

فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى ﴿ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى ﴿ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَى ﴿ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَى ﴿ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى ﴿ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَى ﴿ (سورہ اللیل: آیات ۱۰-۵)

''جس نے (راہِ خدا میں) مال دیا اور خدا سے ڈرا اور اچھے انجام کو سچ مانا، اُس کو ہم آسان راستے کے لیے سہولت دیں گے اور جس نے بخیلی کی اور خدا سے بے نیاز ہوا اور اچھے انجام کو جھوٹ جانا اُس کو ہم تنگی کے راستے پر ڈالیں گے۔''

صدقہ وخیرات کرنے سے حکمت حاصل ہوتی ہے

اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ حکمت ودانائی عطا فرماتا ہے جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے:

الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ وَاللّهُ يَعِدُكُم مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلاً وَاللّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿ يُؤتِي الْحِكْمَةَ مَن يَشَاءُ وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْراً كَثِيراً ﴿

''شیطان تمہیں فقر سے ڈراتا ہے اور بے حیائی کا مشورہ دیتا ہے اور اللہ اپنی طرف سے تمہارے لئے مغفرت اور فضل کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ بڑا فراخ دست اور بڑا علم رکھنے والا ہے، وہ جس کو چاہتا ہے حکمت عطا فرماتا ہے اور جسے حکمت ملی اُسے خیر کثیر ملا۔''

(سورہ البقرہ: ۲۶۹-۲۶۸)

اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کی برکت سے انسان کو دین کے احکامات پر ایمان کامل نصیب ہوتا ہے اور حق کے راستے میں اُسے استقامت نصیب ہوتی ہے۔ اُسے دین کی صحیح سمجھ عطا ہوتی ہے کیونکہ اللہ اُس سے خوش ہوتا ہے۔ حدیث میں بیان ہوا ہے:

مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ . (صحیح بخاری۔کتاب العلم)

''اللہ تعالیٰ جس سے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اُسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔''

مال میں برکت ہونا

انفاق فی سبیل اللہ کا ایک اور فائدہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی کے مال میں اللہ برکت عطا فرماتا ہے جیسا کہ قرآن میں اللہ کا وعدہ ہے:

﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ﴾ (سورہ البقرہ : ۲۷۶)

''اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔''

صرف آخرت میں ہی نہیں بلکہ دنیا میں بھی صدقہ و خیرات کرنے والے کے مال میں اللہ تعالیٰ اضافہ کرتا ہے۔اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اللہ کے بے شمار بے کس بندے جو اس کے مال سے فائدہ مند ہوتے ہیں وہ اس شخص کے لیے دعائیں کرتے ہیں۔یہ دعائیں کرنے والے عام طور پر اہل حاجت اور دکھے ہوئے دل والے ہوتے ہیں جو اپنی غربت اور حاجت مندی کے سبب سے اس بات کے مستحق ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی دعائیں قبول فرمائے جیسا کہ حدیث نبوی میں ہے:

هَلْ تُنْصَرُوْنَ وَتُرْزَقُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَائِكُم.

(بخاری، کتاب الجہاد والسیر۔النسائی، کتاب الجہاد۔ مسند احمد[173/1])

''تمہیں فتح اور رزق صرف تمہارے کمزور(غریب، مسکین) لوگوں کی وجہ سے ہی ملتے ہیں۔''

اِس سے پتہ چلتا ہے کہ جب ہم غریب اور حاجت مندوں کی مدد کرتے ہیں تو ان کی دعاؤں سے اللہ ہمارے رزق کو مزید بڑھاتا ہے۔بعض احادیث سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ ایسے شخص کے لیے فرشتے بھی رزق کی برکت کی دعا کرتے ہیں۔ایک حدیث میں آتا ہے:

مَا مِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيْهِ اِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ فَيَقُوْلُ اَحَدُهُمَا اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا وَيَقُوْلُ الْاٰخَرُ اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا

(صحیح بخاری)

''بندوں پر کوئی صبح بھی نہیں آتی ہے مگر دو فرشتے آسمان سے اترتے ہیں۔اُن میں سے

ایک کہتا ہے، اے اللہ! تو اپنی راہ میں خرچ کرنے والے کو اُس کا بدل عطا فرما اور دوسرا یہ دعا کرتا ہے کہ تو بخیل کو بربادی او رنقصان عطا کر۔“

صدقہ وخیرات کی آفتیں اور اُن کا علاج

صدقہ وخیرات دینے کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ، بخل اور کنجوسی ہے۔ رسول کریمؐ نے ایک حدیث میں فرمایا:

وَاتَّقُوْا الشُّحَّ، فَاِنَّهُ اَهْلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ، حَمَلَهُمْ عَلٰی اَنْ سَفَکُوْا دِمَائَهُمْ، وَاسْتَحَلُّوْا مَحَارِمَهُمْ ۔ (صحیح مسلم عن جابر بن عبداللہ)

”کنجوسی سے بچو کیونکہ کنجوسی نے تم سے پہلے بہت سی امتوں کو ہلاک کرڈالا۔اس کی وجہ سے لوگوں نے ایک دوسرے کے خون بہائے اور اللہ کی حرام کی گئی چیزوں کو حلال بناڈالا۔“

امام غزالیؒ نے ”احیاء علوم الدین“ میں بخل کا بہترین علاج یہ تجویز کیا ہے کہ ایسا انسان اللہ کی راہ میں بار بار خرچ کرے تو آہستہ آہستہ یہ برائی انسانی میں کمزور ہو جاتی ہے۔اور ایسا بندہ بڑی رقم صدقہ کرے تا کہ آئندہ چھوٹی رقم صدقہ کرنا اُس کے لئے نفسیاتی طور پر مسئلہ ہی نہ رہے۔مولانا اشرف علی تھانویؒ سے کسی نے پوچھا کہ مجھے کیسے پتہ چلے کہ میرا صدقہ قبول ہوا ہے تو مولانا نے فرمایا کہ جب صدقہ تم اتنی مقدار میں دو کہ تمہیں کچھ تکلیف ہو تو سمجھو کہ یہ اچھی بات ہے۔صدقہ وخیرات کے معاملے میں اپنا احسان بار بار جتلانا یا سائل کو جھڑک کر اُس کی مدد کرنا اجر کے ضائع کرنے کا موجب ہو سکتا ہے۔ ریا اور نمائش سے بچنا چاہیے کیونکہ اگر صدقہ لوگوں کو دکھانے کے لئے دیا تو اللہ کی طرف سے کوئی اجر نہیں۔مزید برآں، صدقہ وخیرات کرتے ہوئے کسی قسم کا احساس

برتری نہیں ہونا چاہیے کیونکہ تکبر دل کے انتہائی مہلک بیماری ہے۔علامہ ابن قیمؒ نے کہا تھا کہ صدقہ دینے والے کو صدقہ لینے والے کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ اس کی وجہ سے اسے نیکی کمانے کا موقع ملا۔زکوٰۃ اور صدقہ وخیرات کے معاملے میں اپنے غریب اور مسکین رشتہ داروں کا حق پہلے ہوتا ہے۔حدیث کے مطابق ایسا کرنے والے کے لیے دوہرا اجر ہے ایک اجر صدقہ کرنے کا اور دوسرا اجر صلہ رحمی کا۔کچھ لوگ اپنے یتیم ومسکین رشتہ داروں کو نظر انداز کر کے یتیم خانوں میں جا کر زکوٰۃ اور صدقہ دیتے ہیں۔ایسے لوگوں کو اپنے غریب رشتہ داروں کے معاملے میں بے حسی کا مظاہرہ کرنے پر خدا کی طرف سے ضرور پکڑ ہوگی۔

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو

اللہ تعالیٰ نے انسان کے ذمے حقوق اللہ کے علاوہ حقوق العباد بھی رکھے ہیں۔

مولانا حالی نے فرمایا تھا:

یہ پہلا سبق تھا کتاب ھدیٰ کا
کہ مخلوق ساری ہے کنبہ خدا کا
یہی ہے عبادت یہی دین و ایماں
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

مفسر قرآن صحابی رسول عبداللہ بن عباسؓ نے انفاق فی سبیل اللہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:

''لوگ دو میں سے کسی ایک حالت میں ہوتے ہیں۔عافیون (جنہیں اللہ نے عافیت میں رکھا اور جن کی معاشی حالت اچھی ہوتی ہے) اور مبتلیون (وہ لوگ جو کسی بلا یا مصیبت میں گرفتار ہیں یا معاشی بدحالی کا شکار)۔اگر تم ''عافیون'' میں سے ہو تو ''مبتلیون'' تمہارے پاس مدد مانگنے کے لیے آئیں گے۔اگر تم

نے اُن کی مدد نہ کی تو بالآخر اللہ تعالیٰ تمہیں بھی "مبتلیون" کی حالت میں گرفتار کر دے گا۔" (تفسیر ابن عباسؓ)

یہ کلیہ انفرادی سطح پر بھی لاگو ہوتا ہے اور ریاستی سطح پر بھی۔ اسلام کے ابتدائی دور میں زکوٰۃ اپنی مرضی سے ادا کی جاتی تھی لیکن مدینہ کی ریاست بن جانے کے بعد اسے فرض کر دیا گیا۔ اسی لیے مکی سورتوں میں زکوٰۃ کا ذکر آٹھ جگہوں پر ہے جبکہ مدنی سورتوں میں اس کا ذکر ۲۲ مقامات پر آیا ہے۔ اسلام یہ سمجھتا ہے کہ غربت اُمّ الامراض ہے جس سے بہت سی معاشرتی برائیاں جنم لیتی ہیں۔ جب سے اسلامی ریاستوں نے زکوٰۃ کا نفاذ ختم کیا مسلمانوں کی معاشی حالت ابتر ہوتی چلی گئی۔ آج دنیا کے پناہ گزینوں (Refugees) کی ۸۰ فیصد آبادی مسلمانوں کی ہے۔ خلیج کے بعض عرب ممالک میں دولت کی فراوانی کی یہ حالت ہے کہ وہاں کے باشندے زیادہ کھانے اور بسیار خوری کی وجہ سے مر رہے ہیں جب کہ ان کے ہمسائے ممالک سوڈان اور صومالیہ میں ان کے مسلمان بہن بھائی فاقوں کی وجہ سے مر رہے ہیں۔ ایسی بے حسی کی حالت میں رہنے والوں پر اللہ اپنے عذاب کا کوڑا ضرور برساتا ہے۔ بوسنیا کے مفکر علیجاہ عزت بیگووچ کے مطابق زکوٰۃ و خیرات غریبوں سے غربت اور امیروں سے بے حسی دور کرتی ہے۔ یہ لوگوں کے درمیان سے مادی فرق دور کر کے ان کو ایک دوسرے کے قریب کرتی ہے۔

تاہم اسلامی حکومتوں کی نااہلی کی وجہ سے ہم ہاتھوں پر ہاتھ دھر کر نہیں بیٹھ سکتے۔ زکوٰۃ کا نفاذ اگر حکومتی ذمہ داری ہے تو صدقہ و خیرات تو انفرادی مرضی پر ہوتی ہے۔ ۱۹۹۳ء میں امریکی عیسائیوں نے ۱۰۴ بلین ڈالر خیرات میں دیئے یعنی ۹۱۶ ڈالر ہر شخص نے اوسطاً دیئے۔ ان خیرات کرنے والوں میں اکثریت پرائیویٹ طور پر خود خیرات کرنے والوں کی تھی جس میں حکومت کا کوئی تعلق نہ تھا۔ آج مسلمانوں کو انفرادی طور پر زکوٰۃ و خیرات کرنے کی ضرورت ہے۔ اسلامی تحریکوں کی کامیابی کے لیے بھی یہ انتہائی ضروری ہے کہ وہ دعوت و

تبلیغ کے علاوہ خدمت خلق اور صدقہ و خیرات کا اہتمام لازمی طور پر کریں۔ اسی میں ان کی کامیابی کی ضمانت ہے۔ اس سے کارکنوں میں تقویٰ پیدا ہوگا، لوگوں کے دل ان کی طرف مائل ہوں گے اور اللہ کی مدد بھی شامل حال ہوگی۔

تاریخ سے چند مثالیں

اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اتنی بڑی نیکی ہے کہ اس کے فوائد نہ صرف آخرت میں حاصل ہوتے ہیں بلکہ دنیا میں بھی اس کے ثمرات ظاہر ہوکر رہتے ہیں۔ اللہ کسی کے خالص عمل کو ضائع نہیں کرتا:

هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ﴿ (سورہ الرحمٰن: آیت ۶۰)

"نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے۔"

رسول اللہ ﷺ کی بے مثل تربیت اور تزکیہ کی وجہ سے صحابہ کی زندگیاں ایسی ہوگئی تھیں کہ ہر صحابی سخاوت کے دریا کی مانند تھا بالخصوص اکابر صحابہ کی فیاضی کی تاریخ انسانی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

حضرت عثمانؓ کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ "غنی" کا لفظ ان کے نام کا حصہ بن گیا ہے۔ یہی حال حضرت عائشہ، علیؓ، فاطمہؓ، زینب، عبدالرحمٰن بن عوف، عمر فاروق رضوان اللہ اجمعین کا تھا کہ وہ خود تو بھوکا رہنا گوارا کر لیتے تھے مگر کسی سائل کو خالی ہاتھ واپس نہ کرتے تھے۔ بعد کی تاریخ میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ کی سخاوت کے نمونے کو اپناتے ہوئے عرب تاجروں کی فیاضی سے متاثر ہوکر انڈونیشیا اور برصغیر کے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ آج بھی عرب کے بدوؤں میں جذبہ صدقہ و خیرات کی یہی روح کارفرما ہے۔

آسٹریلیا کے نومسلم محمد اسد (لیوپولڈ ویس) اپنی کتاب "طوفان سے ساحل تک" "The Road to Mecca" میں لکھتے ہیں کہ جب وہ عرب ممالک کے سفر کے لیے

نکلے تو ایک مرتبہ اُن کی ٹرین صحرائے سینا سے گزر رہی تھی۔ اُن کے سامنے ایک عرب بدو بڑی سی عبا میں لپٹا بیٹھا تھا۔ اتنے میں ٹرین ایک سٹیشن پر رُکی۔ محمد اسد کے الفاظ میں:

"وہ بدو جو میرے سامنے بیٹھا تھا آہستہ آہستہ اٹھا اور اُس نے ایک روٹی خریدی اور واپس ہونے لگا، جب وہ بیٹھنے جا رہا تھا، اُس وقت اُس کی نگاہ مجھ پر پڑی، کچھ کہے بغیر اُس نے اُس روٹی کے دو ٹکڑے کیے اور ایک مجھے دینے لگا، جب اُس نے میرا تردد اور تعجب دیکھا تو مسکراہٹ کے ساتھ اُس نے مجھے کہا تَفَضَّلْ (نوش فرمایئے)۔ میں نے وہ ٹکڑا لے لیا اور سر کے اشارہ سے اُس کا شکریہ ادا کیا۔ جب میں اُس معمولی واقعہ پر غور کرتا ہوں تو مجھے خیال ہوتا ہے کہ عربی اخلاق سے میری وابستگی اور محبت کی بنیاد اُس سے پڑی تھی، اُس بدو کے رویہ میں جس نے اجنبیت کے باوجود مجھے اپنا رفیق سفر سمجھتے ہوئے آدھی روٹی دی تھی۔ اُس رویے میں انسانیت کی ایک ایسی جھلک تھی، جو ہر تصنع اور تکلف سے پاک تھی۔" (1)

محمد اسد کے دل میں اسلام کی محبت کا بیج اُسی واقعے نے بویا جو بالآخر اُن کے قبول اسلام پر منتج ہوا۔

اسی طرح کینیڈین نومسلم عالم ڈاکٹر بلال فلپس جو خلیجی جنگ کے دوران سعودی عرب کے صحراؤں میں مقیم امریکی فوجیوں میں تبلیغ اسلام کا کام کر رہے تھے انہوں نے ایک انٹرویو میں بتایا: "امریکی فوجیوں کو وہاں کے صحراؤں میں مقیم بدوؤں کی سخاوت نے بہت متاثر کیا جو ان کی تازہ کھجوروں اور دودھ سے خاطر مدارت کرتے تھے۔ ان امریکی فوجیوں نے جاپان اور کوریا کئی سال قیام کے باوجود ایسی مہمان نوازی اور فیاضی نہیں دیکھی تھی۔ اس سے متاثر ہو کر کئی فوجیوں نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ نومسلم فوجی آج امریکہ کی فوج کے اندر

---

1) محمد اسد، طوفان سے ساحل تک، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، لکھنؤ 1980ء

اسلام کے مبلغین کا کام کررہے ہیں۔'' (1)

امام ابن تیمیہ، فقہ حنبلی کے عظیم عالم گزرے ہیں جن کی وفات ۷۲۸ھ میں ہوئی۔ انہیں اوران کے نامور شاگرد علامہ ابن قیم کو حکومت وقت نے حق بات کہنے کی پاداش میں جیل میں قید کرڈالا۔ امام ابن تیمیہ اپنی کتاب ''المجموع الفتاویٰ الکبریٰ'' (مطبوعہ بیروت) میں لکھتے ہیں:

''جیل میں قید ہونے سے پہلے میں چند بیوہ اور مساکین کے خاندانوں کی کفالت کیا کرتا تھا اور جب مجھے قید میں ڈالا گیا تو مجھ سے اُن کی مالی امداد رُک گئی جس کا مجھے شدید صدمہ ہوا۔ پھر مجھے جیل میں ہی ان خاندانوں کی طرف سے پیغامات آئے جس میں انہوں نے مجھے کہلا بھیجا تھا: ''آپ اب بھی ہمارے پاس اپنی اصل حالت میں بہ نفس نفیس آتے ہیں اور ہمیں اتنے ہی پیسے صدقہ خیرات میں دیتے ہیں جیسا کہ پہلے دیا کرتے تھے۔'' پس جنوں میں سے ہمارے بھائیوں نے ہماری غیر موجودگی میں ہماری ڈیوٹی سنبھال لی۔ اگر دنیا نیک کام کرنے والوں سے خالی ہوگئی تو جنات اور فرشتے مومنین کے ساتھ ہیں۔''

آخر میں صدقہ وخیرات کے ضمن میں قدرت اللہ شہاب صاحب کا بیان کردہ ایک واقعہ ذکر کیا جاتا ہے جو انہوں نے اپنی کتاب ''شہاب نامہ'' میں ذکر کیا ہے۔ اُس دور میں وہ جھنگ کے ڈپٹی کمشنر تھے۔ عبداللہ نامی ایک شخص تھا جس کا ماضی بہت تاریک اور گنہگار تھا لیکن اب بڑھاپے میں جب کہ اولاد نے بھی ساتھ چھوڑ دیا تھا، عبداللہ نے سبزی کی ریڑھی لگائی تھی اور انتہائی مشکل سے اس کی گزر اوقات ہوتی تھی۔ قدرت اللہ صاحب واقعہ بیان کرتے ہیں:

---

1) Philips, Dr. Abu Ameena Bilal Phillips (July 1998) "Why I Embraced Islam: Dawah Work among US troops won 3000 Converts to Islam" *Islamic Voice*. vol. 12-07, No. 139.

''ایک روز میں عبداللہ سے ملنے شہید روڈ گیا۔اس کی ریڑھی پر باسی سبزیوں کا ڈھیر لگا پڑا تھا۔عبداللہ نے بتایا کہ دو روز سے کاروبار مندا ہے اور اس کی ریڑھی کی سبزیاں پڑی پڑی گل سڑ رہی ہیں۔میں نے حاتم طائی کی قبر پر لات مار کر ریڑھی کی ساری سبزیاں تلوا کر کار میں رکھوالیں۔پیسے ادا کرنے کے بعد وہاں سے روانہ ہونے لگا تو سڑک کے دوسرے کنارے زمین پر بیٹھے ہوئے ایک (مجذوب) موچی نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے اپنے پاس بلایا اور میری جانب نظر اٹھائے بغیر وہ بڑبڑایا: ''خوب بچا بے سالے۔ٹھہری تھی کہ یوں ہی گزر جاتے تو سالے کو کوڑھی کر کے اسی ریڑھی میں بٹھا دیا جائے۔''(1)

اُس مجذوب موچی کو یہ الہام ہوا تھا جو اُس نے قدرت اللہ شہاب کو بتایا کہ تقدیر کا فیصلہ پہلے یہ تھا کہ اگر قدرت اللہ صاحب اُس ریڑھی والے کی مدد کیے بغیر چلے جاتے تو کچھ عرصہ کے بعد وہ خود کوڑھ کے مرض میں مبتلا ہو کر اسی جگہ بھیک مانگتے لیکن صدقہ کرنے کی برکت سے اللہ نے یہ مصیبت اُن پر سے ٹال دی۔ رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا ہے:

اِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِيءُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ عَنْ مِيْتَةِ السُّوءِ

(جامع ترمذی) (2)

''بے شک صدقہ اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور انسان پر آنے والی بری موت سے اُسے بچاتا ہے۔''

---

1) قدرت اللہ شہاب، شہاب نامہ، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، 2005ء

2) امام ترمذی نے اِس حدیث کو حسن غریب کا درجہ دیا ہے۔امام ابن حبان نے بھی صحیح ابن حبان میں اِس حدیث کو حسن کا درجہ دیا ہے۔

مناسک حج کی حکمتیں

حج درحقیقت ایک عبادت ہے جو ہر زادراہ رکھنے والے صاحب استطاعت مسلمان پر فرض ہے۔حج اسلام کا پانچواں اہم رکن ہے۔حج کےلغوی معنی ہیں زیارت کا ارادہ کرنا اورشریعت کی اصطلاح میں مراد وہ جامع عبادت ہےجس میں مسلمان بیت اللہ پہنچ کر کچھ مخصوص اعمال اورعبادات کرتا ہے۔حج ایک جامع عبادت ہے کیونکہ اس میں بدنی عبادات (نماز، روزہ وغیرہ) کی خصوصیات بھی ہیں اور مالی عبادات (صدقہ وزکوٰۃ وغیرہ)خصوصیات بھی۔حج کی فضیلت میں حضورؐ نےفرمایا:

''جوشخص بیت اللہ کی زیارت کےلیے آیا، پھراس نے نہ تو کوئی فحش شہوانی عمل کیا،اور نہ خدا کی نافرمانی کا کوئی کام کیا،تو وہ (گناہوں سے ایسا پاک صاف ہوکر) لوٹے گا جیساپاک صاف وہ اس دن تھا،جس دن اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا۔''

(بخاری۔مسلم)

اس مضمون کامقصدحج سےمتعلقہ فقہی مسائل بیان کرنانہیں بلکہ حج کےمناسک کی حکمتیں اوراصل مقصودپرروشنی ڈالنا ہے۔

حج کا مقصد انسان کی بےمقصد زندگی کوایک سمت دینا ہے۔حضورؐ نےایک حدیث میں فرمایا:

اَلْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ السَّيِّئَاتِ (صحیح ابن حبان) (1)

''درحقیقت اصل مہاجر وہ ہے جو گناہوں سے ہجرت کرے یعنی گناہ چھوڑ دے۔''

اِس لحاظ سے حج کے لیے سفر ہجرت کے مترادف ہے کیونکہ حج کے تمام مناسک میں گناہوں سے اللہ کی تابعداری کی طرف ہجرت کا نظریہ کارفرما ہے اور اصل سفر اللہ ہی کی جانب ہے:

وَأَنَّ إِلَى رَبِّكَ الْمُنتَهَى ﴿ (سورہ النجم: ۴۲)

(اور اللہ ہی کی طرف سب کو واپس پہنچنا ہے۔)

احرام باندھنا

حج کی نیت کر کے حج کا لباس پہننے پڑھنے کو احرام کہتے ہیں۔ احرام باندھنے کے بعد حج شروع ہو جاتا ہے اور بہت سی چیزیں جن کا کرنا احرام سے پہلے جائز اور مباح تھا، حالت احرام میں ان کا کرنا اور ممنوع ہو جاتا ہے، اسی لیے اسے احرام کہتے ہیں۔ حج کا یہ پہلو اور اس کی پابندیاں بہت حد تک روزے کی پابندیوں سے ملتی جلتی ہیں۔

احرام باندھنے کا مقصد حاجیوں کو یاد کروانا ہے کہ وہ اسی طرح ایک دنیا کا لباس بدل کر ایک کفن میں ملبوس ہو کر اپنے رب سے ملیں گے۔ ایرانی مفکر اور عمرانی سائنسدان ڈاکٹر علی شریعتی اپنی کتاب ''Hajj'' (مطبوعہ ہیوسٹن، ۱۹۹۴ء) میں احرام کے متعلق لکھتے ہیں:

---

1) اِس حدیث کو امام ابن حبانؒ کے علاوہ شیخ عبد بن حمیدؒ نے اپنی ''مُسند'' میں (نمبر 338)، امام ابن مندہ نے ''الایمان'' میں (نمبر 318) اور امام المروزی نے ''تعظیم قدر الصلاۃ'' میں (نمبر 545) روایت کیا ہے۔ شیخ ناصر الدین الالبانیؒ نے امام ابن تیمیہؒ کی ''کتاب الایمان'' کی تحقیق میں اِس حدیث کو صحیح کا درجہ دیا ہے۔

''میقات میں احرام پہن کر دراصل حاجی اپنے آپ کو دفن کر کے میدان حشر کی طرف اسی طرح جاتے ہیں جس طرح روز قیامت لوگ حشر کے میدان کی طرف جائیں گے۔'' (1)

اگر غور کیا جائے تو احرام دراصل ہماری ''**فطرۃ**'' یعنی گناہوں سے پاک حالت کی طرف واپسی ہے۔علاوہ ازیں لباس بدل کر احرام باندھنے کا مقصد لوگوں کی انا (ego) کو ختم کرنا ہے کیونکہ لباس دراصل معاشرے میں طبقاتی تقسیم (Status) کی نشاندھی کرتا ہے جب کہ حج کے موقع پر سب لوگ اللہ کے ہاں ایک ہی حالت میں حاضر ہوتے ہیں۔

کعبہ کے گرد طواف

طواف کے لغوی معنی ہیں کسی چیز کے اردگرد چکر لگانا اور گھومنا اور شرعی اصطلاح میں طواف سے مراد ہے بیت اللہ کے گرد والہانہ گھومنا اور چکر لگانا۔قرآن کے مطابق سطح زمین پر خدا کی عبادت کے لیے سب سے پہلا گھر جو تعمیر کیا گیا وہ یہی بیت اللہ ہے:

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ (آل عمران:۹۶)

''بلاشبہ سب سے پہلا عبادت کا گھر جو انسان کے لیے تعمیر کیا گیا وہ وہی مکے میں ہے، برکت والا اور سارے جہانوں کے لئے ھدایت۔''

طواف زیارت حج کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔دراصل بیت اللہ دین کا منبع

1) Shariati, Dr. Ali (1994). Hajj. Houston, Free Islamic Literatures, Inc.

اورمرکز ہے۔اس کائنات میں ہر نظام کا کوئی مرکز ومحور ہوتا ہے۔ ہمارے نظام شمسی کا محور سورج ہے۔اسی طرح ایک ایٹم میں نیوکلیئس (Nucleus) کے گرد تمام الیکٹران (Electron) گھومتے ہیں اور ان سب کی حرکت گھڑی کی مخالف سمت میں (Counter clockwise movement) ہوتی ہے چاہے یہ کوئی سیارہ ہو یا کوئی چاند ہو یا ایٹمی درجہ (Atomic level) پر الیکٹران یا پروٹان ہوں۔اسی طرح امت مسلمہ کا مرکز کعبۃ اللہ ہے۔دلچسپ بات یہ ہے، چونکہ اسلام ''دین فطرت'' ہے اس لیے مسلمان بھی طواف کے دوران کعبہ کے گرد گھڑی کی مخالف سمت میں (counter-clockwise) چکر لگاتے ہیں۔بعض علمائے اسلام کے مطابق طواف کے دوران ہم کعبہ کے گرد Counter clockwise اس لیے چکر کاٹتے ہیں کیونکہ اس طرح ہمارے دل کا جھکاؤ کعبہ کی طرف ہوتا ہے۔ انسانی روح کا منبع آسمانی ہے اور چونکہ انسانی دل روح کا مرکز ہوتا ہے اس لیے طواف کے دوران دل جو انسان کے بائیں طرف ہوتا ہے، اس کے کعبے کی طرف جھکاؤ سے اس کی تسکین ہوتی ہے۔

کعبہ کے گرد طواف کی حکمت پر بحث کرتے ہوئے عظیم جرمن نومسلم مفکر محمد اسد (لیوپولڈویس) اپنی کتاب "Islam at the Crossroads"(مطبوعہ لاہور، ۱۹۹۱ء) میں لکھتے ہیں: ''جب ہم کسی چیز کے گرد دائرے میں چکر لگاتے ہیں تو ہم اسے اپنے اعمال کا مرکز تسلیم کر لیتے ہیں۔کعبہ، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا مظہر ہے۔ حاجیوں کا طواف کرنا دراصل انسانی زندگی کی حرکت کا مظہر ہے۔طواف یہ ثابت کرتا ہے کہ نہ صرف ہماری مذہبی رسومات بلکہ ہماری عملی زندگی اور کاوشوں کا محور خدا کی وحدانیت کا نظریہ ہے جو قرآن کے مطابق یہ ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ (الذاریات:56)

''ہم نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے تخلیق کیا ہے۔''

برطانوی نومسلم چارلس گائی ایٹن اپنی کتاب "Islam and the Destiny of Man" (مطبوعہ لاہور، ۱۹۸۹ء) میں طواف کے متعلق لکھتے ہیں:

''حاجی کے برہنہ پیروں کے نیچے صدف رنگ سنگ مرمر کا وہ مطاف ہوتا ہے جو دنیا کے عین وسط میں واقع ہے اور اگرچہ اسے حکم دیا گیا ہے کہ کسی اور مقام پر نماز ادا کرتے ہوئے اپنی نظریں نیچی رکھے لیکن اب یہاں اسے اجازت ہے کہ وہ اپنی نظریں اٹھا کر کعبے کی طرف دیکھے جو زمین پر اس محور اور قطب کا ارضی سایہ ہے جس کے گرد ستاروں سے جگمگاتے افلاک گردش کرتے ہیں۔'' (1)

ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ کعبہ کی شکل مکعب اور شش پہلو (CUBE) جیسی ہے اور تمام جیومیٹری کی شکلوں میں سب سے مضبوط شکل، جدید سائنس کے مطابق مکعب (cube) شکل ہوتی ہے اور سب سے کمزور شکل اور ناپائیدار شکل، پنج گوشہ شکل (Pentagon) ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے اگر کبھی ''cube'' اور "pentagon" کے درمیان ٹکراؤ ہو جائے تو فتح ہمیشہ "cube" کی ہوگی کیونکہ وہ سب سے زیادہ مضبوط اور پائیدار شکل ہوتی ہے۔

کعبہ کے گرد طواف میں 7 مرتبہ چکر لگانے میں بھی گہری حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ سات کا عدد رمزیہ یا علامتی (Symbolic) بھی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ وقت جس کی ابتداء معلوم ہے نہ انتہاء، اس لامحدود شے کو جب ہم نے شمار کرنا چاہا تو ہم نے سات کا ہی عدد استعمال کیا۔ ہفتے میں سات دن ہوتے ہیں۔ وہی سات دن بار بار اپنے آپ کو دہراتے رہتے ہیں یعنی سات کا عدد بطور علامت غیر محدود کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر ہم نے اللہ کے گھر کا سات مرتبہ چکر لگایا تو یہ ابدی طور پر اپنے فریضے کی انجام دہی کے مترادف ہوگا۔ ڈاکٹر علی شریعتی کے مطابق چونکہ ہفتے میں سات دن ہوتے ہیں اس لیے

1) Eaton, Charles Le Gai (1985). Islam and the Destiny of Man. New York, The Islamic Texts Society.

سات کے ہند سے سے مراد مستقل جد وجہد ہے جو اسلام کا کام کرنے والوں کو کرنی ہوتی ہے۔

یہ تمام تشریحات درست ہیں لیکن سات کے ہند سے میں اس سے بھی زیادہ گہری حکمتیں پوشیدہ ہیں جو موجودہ سائنس نے اب دریافت کرنی شروع کی ہیں۔ اسلام چونکہ دین فطرت ہے، اس لیے اسلام کے مطابق سات کا عدد یاد رکھنے کے نقطۂ نظر سے انسانی ذہن کے لیے موزوں ترین ہے۔ امریکہ کی پرنسٹن یونیورسٹی کے نامور ماہر نفسیات ڈاکٹر جورج اے ملر (George A. Miller) نے ۱۹۵۶ء میں علم نفسیات کے مشہور جریدے "The Psychological Review" میں اپنی تحقیقات شائع کی تھیں جن کا عنوان تھا: (سات کا طلسماتی ہندسہ) (1)

"The Magical Number Seven plus or minus two"

اِس تحقیق کا خلاصہ یہ تھا کہ انسانی یادداشت اِس طرح کام کرتی ہے کہ اُس کے ذہن کے لئے کسی قسم کی معلومات کے سات (7) عناصر (Chunks) تک یاد رکھنا آسان ہوتا ہے اور عام طور پر اُس سے زیادہ انسانی ذہن کے لیے مشکل ہوجاتا ہے۔ مثلاً کسی چیز کی سات اقسام تک انسان کے لیے یاد رکھنا آسان ہوتا ہے۔ ڈاکٹر ملر کے مطابق انسان کے وجدان اور فطرت میں یہ چیز موجود ہے کہ سات کا ہندسہ اُس کے لیے سب سے موزوں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں سات عجوبے ہیں، سات زہریلے گناہ (seven deadly sins) ہیں، موسیقی کے سات نوٹس (Musical Notes)، قوس وقزح کے سات رنگ ہیں، ہفتے کے سات دن ہیں اللہ تعالیٰ نے سات آسمان بنائے، وغیرہ وغیرہ۔ اسلام نے انسان کی فطرت اور ذہنی بساط کے پیش نظر

---

1) Miller, George A. (1956). "The Magical Number Sever, Plus or Minus Two." The Psychological Review 63: 81-97.

ہمیں کعبہ کے گرد سات مرتبہ چکر لگانے کا حکم دیا اور یہی حکم سعی میں بھی دیا۔

حجر اسود کو چھونا یا بوسہ دینا

طواف کا ہر چکر شروع کرتے وقت حجر اسود کا استلام کرنا اور اسی طرح طواف کے ختم ہونے پر حجر اسود کا استلام کرنا سنت ہے۔ غیر معمولی ازدحام یا لوگوں کو تکلیف پہنچنے کی صورت میں دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں دونوں کانوں تک اٹھا کر اپنے ہاتھوں کو بوسہ دے لینا کافی ہوتا ہے۔

حضرت عمرؓ بن خطاب نے ایک مرتبہ حجر اسود کو مخاطب کر کے کہا:

اِنّی اَعلم انّکَ حَجَرٌ لا تضر وَلَا تنفع وَلَو لا انّی رَاَیتُ اَلنّبی یُقبلک ما قبلتک (بخاری)

''خدا کی قسم، تو صرف ایک پتھر ہے جو نہ کسی کو نفع دے سکتا ہے، نہ نقصان اور اگر میں نے رسول اللہ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں بھی تجھے بوسہ نہ دیتا۔

حضرت عمر فاروق ؓ کے اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے حافظ ابن حجر عسقلانی اپنی کتاب فتح الباری میں لکھتے ہیں:

''حجر اسود کو بوسہ دینے کے معاملے میں حضرت عمرؓ کا قول ہمارے لیے ایک رہنما اصول کی حیثیت رکھتا ہے حضورؐ کی اتباع کے معاملے میں چاہے ہمیں اُن احکامات کی وجہ پتہ چلے یا نہ چلے۔''

بعض علماء کے مطابق حجر اسود کو چھونا بیعت کے مترادف ہے۔ بیعت یا معاہدہ کرنے کا عام طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتا ہے اور

گناہوں سے توبہ کرتا ہے۔ چنانچہ ہم طواف میں اللہ اِس بات کی بیعت کرتے ہیں کہ ہم اُس کے مطیع اور فرمانبردار بندے بن کر رہیں گے۔

سعی کی حکمت

سعی سے مراد حج کا وہ واجب عمل ہے جس میں زائر حرم صفا مروہ نامی دو پہاڑیوں کے درمیان دوڑتا ہے۔ سعی کی ابتداء صفا سے کرنا واجب ہے۔ یہاں پر سات مرتبہ سعی کرنے میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ سعی کی ابتداء کوہ صفا سے ہوتی ہے تو اختتام کوہ مروہ پر ہوتا ہے (6 یا 8 مرتبہ سعی کی صورت میں اختتام دوبارہ صفا پر ہوتا)۔ سعی دراصل ایک طرف تو ماں کی مامتا کے واقعے کی یادگار ہے کیونکہ حضرت ہاجرہؑ نے حضرت اسماعیل (جو ایک پیاس کی حالت میں تڑپ رہے تھے) کے لیے پانی ڈھونڈنے کی ابتداء کوہ صفا سے کی۔ دوسری طرف یہ سعی باپ کی اپنے بیٹے کے لیے محبت اور پھر خدا کی محبت میں اپنے بیٹے کو قربانی کے لیے پیش کرنے کے واقعے کی یادگار بھی ہے کیونکہ (بعض روایات کے مطابق) جبل مروہ ہی وہ مقام ہے جہاں خدا کے خلیل حضرت ابراہیمؑ نے اپنے اکلوتے بیٹے اسماعیلؑ کو اللہ کے راستے میں قربان کرنے کے لیے پیشانی کے بل لٹادیا تھا۔

صفا اور مروہ کے درمیان سعی انسانی زندگی کی جدوجہد کی علامت ہے۔ ڈاکٹر علی شریعتی اپنی کتاب "Hajj" میں لکھتے ہیں کہ حضرت ہاجرہؑ جو کہ حضرت سارہؑ کی لونڈی تھیں انہوں نے سعی کے ذریعے دنیا کے تمام مفکروں، فلسفیوں اور عوام کو یہ درس دیا ہے کہ مشکل وقت میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنا نہیں چاہیے۔ آج مسلمان سخت مشکل سے دوچار ہیں لیکن اگر وہ بھی سعی و عمل شروع کر دیں تو امت مسلمہ کے لیے اس طرح فتح کا چشمہ زم زم اللہ تعالیٰ جاری کر سکتا ہے جس طرح مسلمان امت کی ماں حضرت ہاجرہ کے لیے کیا تھا۔

وقوف عرفات

حج کے دوران تین مقامات پر وقوف کرنا یعنی ٹھہرنا ہوتا ہے۔ سب سے اہم وقوف وقوف عرفات ہے۔ عرفات ایک نہایت وسیع اور کشادہ میدان ہے۔ میدان عرفات میں وقوف حج کے ارکین میں سب سے بڑا رکن ہے حتیٰ کہ حضورؐ نے فرمایا ہے:

الحج عرفة. (ترمذی، مسند احمد، ابوداؤد، نسائی) (1)

''عرفات میں وقوف ہی حج ہے۔''

علامہ عبدالرحمٰن ابن جوزیؒ اپنی کتاب ''منہاج القاصدین'' لکھتے ہیں کہ عرفات کے میدان میں لاکھوں حاجیوں کا ایک ہی لباس میں ملبوس اللہ کے حضور کھڑا ہونا دراصل میدان حشر میں اللہ کے سامنے حاضری کی یاد تازہ کروانے کے لیے ہے۔ میدان حشر میں بھی ایک دن انسان اللہ کے سامنے اسی طرح عاجز و بے بس کھڑے ہوں گے اور اس کے فضل و کرم کے امیدوار ہوں گے۔ (2) حجۃالوداع کے موقع پر حضورؐ پر عرفات میں ہی سورہ المائدہ کی یہ آیات نازل ہوئیں:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ...... ﴾

(سورہ المائدہ:۳)

''آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے''

چنانچہ جس طرح عرفات کا دن حج کا سب سے اہم دن ہوتا ہے اسی طرح قیامت تک آنے والی امت مسلمہ کے لیے یہ آیت سب سے اہم ہے کہ اب صرف اسلام ہی اللہ کا

---

1) اِس حدیث کو امام ابن حبان نے صحیح ابن حبان میں اور الحاکم نے بھی روایت کیا ہے اور اس حدیث کو عبد الرحمن بن یعمر الدیلی کی سند سے صحیح کا درجہ دیا ہے۔

2) عبدالرحمٰن ابن جوزی، منہاج القاصدین، معارف اسلامی، لاہور ۱۹۹۲ء

قابل قبول مذہب ہے اور اس میں حلال وحرام کا اضافہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

رمی ۔ شیطان کو کنکریاں مارنا

رمی سے مراد حج کا وہ عمل ہے جس میں حاجی پتھر کے تین ستونوں پر کنکریاں مارتا ہے۔ رمی جمرات واجب ہے۔ بعض کے مطابق جب ابراہیم اپنے بیٹے اسماعیل کو قربانی کے لیے لے جا رہے تھے تو تین مختلف مقامات پر شیطان نے انسانی شکل میں آ کر ابراہیم، اسماعیل، اور ہاجرہ کو علیحدہ علیحدہ وسوسہ اندازی کر کے اس کام سے باز رہنے کی تلقین کی۔ یہ ایسا عظیم خاندان تھا کہ تینوں شیطان کو پہچان گئے اور انہوں نے چند کنکریاں اٹھا کر شیطان کو ماریں جس سے وہ بھاگ گیا۔ آج ان کی سنت پر عمل کر کے حاجیوں کو یہ درس دیا جاتا ہے کہ اللہ کے احکام کی تکمیل میں جو شیطانی وسوسے آڑے آتے ہیں ان کا مقابلہ کیا جائے۔

علاوہ ازیں یہ تین شیاطین اُس شیطانی تثلیث کو بھی ظاہر کرتے ہیں جن کا وجود ہر مذہب میں رہا ہے اور جنہیں قرآن میں **فرعون، قارون اور بلعم بن باعورا** کے تین تاریخی کرداروں کی صورت میں بیان کرتا ہے کیونکہ ہر طاغوتی نظام میں فساد کی جڑ یہی تین شیاطین ہوتے ہیں، یعنی ظالم بادشاہ (ڈکٹیٹر یا صدر)، سرمایہ دار یا زمیندار اور حکومتی کرائے کے علمائے سوء (میڈیا کے علماء)۔ حج اس تین سروں والے اژدھا کے متعلق حاجیوں میں شعور پیدا کرتا ہے۔

حیاتِ ابراھیمی کے مراحل اور قربانی

حج میں عید الاضحیٰ کے دن حاجی جو قربانی کرتے ہیں وہ دراصل حضرت اسماعیل کا فدیہ ہے جیسا کہ سورہ الصفت میں بیان ہوا ہے۔ قربانی کی اس سنت کو جاری کرنے والے حضرت ابراہیم و اسماعیل تھے اور قیامت تک اس کو قائم رکھنے والے حضورؐ کی امت کے

مسلمان ہیں۔

صحابہؓ نے حضورؐ سے پوچھا: یارسولؐ اللہ! یہ قربانی کیا چیز ہے؟ ارشاد فرمایا یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔(ترمذی)

دیکھا جائے تو ابراہیم علیہ السلام کی تمام زندگی امتحانوں سے بھری ہوئی ہے۔سب سے پہلے باپ کی محبت کے امتحان میں وہ پورے اُترے اور ثابت کیا کہ وہ آباؤاجداد کے نظریات کی اندھی تقلید نہیں کرتے۔پھر انہوں نے اپنے اردگرد کے لوگوں سے تعلقات کی قربانی دی۔پھر اپنی جان کی قربانی پیش کر کے نمرود کی بھڑکائی ہوئی آگ میں کود پڑے۔ اب اس بڑھاپے میں انہیں سب سے مشکل امتحان پیش آیا یعنی اپنے اکلوتے بیٹے اسماعیلؑ کی قربانی پیش کرنے کا جبکہ ابراہیمؑ کی عمر ۱۰۰ سال تھی اور اسماعیلؑ کی ۱۳ سال۔قرآن نے خود اقرار کیا ہے کہ یہ بہت بڑا امتحان تھے: ان ھـذا لھـوا البلاء المبیـن﴿ (سورہ الصافات: ۱۰۶) (یقیناً یہ ایک کھلی آزمائش تھی) اُس آزمائش میں پورا اتر کر ابراہیم مرتبہء احسان پر پہنچ گئے اور اللہ تعالیٰ نے اُنہیں انسانیت کا امام بنادیا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں ہمارے لئے بہت بڑا سبق ہے۔ابراہیم علیہ السلام پر شیطان کا ہر وار ضائع گیا کیونکہ اُنہوں نے ہمیشہ اللہ کا حکم مانا اور حق بات کا ساتھ دیا۔انہوں نے دماغ کے تاویلی حربوں (Rationalizing Abilities) سے کبھی چیزوں کو اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق ڈھالنے کی کوشش نہیں کی۔بقول اقبال

؎ براہیمی نظر پیدا بڑی مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنالیتی ہے تصویریں

حضرت ہاجرہؑ کی زندگی، خواتین کے لیے عظیم نمونہ

حج کے مناسک بالخصوص سعی اور رمی اور آبِ زمزم حضرت ہاجرہؑ کی یاد بھی تازہ کرتے ہیں جنہوں نے محض اللہ کی رضا کی خاطر اپنے شیر خوار بچے کے ساتھ مکہ کی بیابان

وادی میں ٹھہرنا قبول کرلیا۔ اللہ کو اپنی اُس عاجز بندی کی یہ ادا اتنی بھائی کہ اللہ نے اُسی عورت سے ایک عظیم تہذیب کو جنم دیا۔ ہاجرہؓ جن کا تعلق مصر سے تھا، اُن کی مادری زبان میں اُن کے نام کا مطلب ہے "شہر"۔ اللہ نے اُن کے نام کو سچ کر دکھایا۔ علم تاریخ اور عمرانیات ہمیں بتاتا ہے کہ ہر تہذیب کی بنیاد پانی کے اردگرد پڑتی ہے کیونکہ پانی سے ہر زندگی کی ابتداء ہے:

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ﴿ (سورۃ الانبیاء: ۳۰)

ترجمہ: "اور ہم نے پانی سے ہر زندہ چیز پیدا کی، کیا پھر بھی تم ایمان نہیں لاؤ گے۔"

مثلاً انڈس کی تہذیب، مصر کی تہذیب، بابل کی تہذیب، یمن کی تہذیب وغیرہ۔ اسی طرح عرب قوم کا مکہ میں نقطۂ آغاز پانی (زم زم) سے ہوا اور وہ ہاجرہؓ کی اپنے بچے سے محبت اور اللہ پر توکل کی وجہ سے اللہ نے عطا فرمایا۔ اِس وادی کے سب سے پہلے مکین ایک ماں اور ایک بیٹا ہی تھے۔

کئی برس کے بعد جب ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی اور بیٹے سے ملنے مکہ واپس آئے اور رات کی تاریکی میں اپنے گھر کے قریب پہنچے تو انہوں نے ہاجرہؓ کو صحف ابراہم کی تلاوت کرتے سنا اور ساتھ ساتھ وہ اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو سکھا رہی تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دل خوشی سے سرشار ہو گیا کہ اُن کی نسل بڑی پاکیزہ اور مبارک تھی۔

حضرت ہاجرہؓ نے نوے سال عمر پائی۔ اُن کے دم سے مکہ کی وادی میں بے پناہ رونق تھی۔ وہ قبیلہ جرہم کے بچوں کو جمع کر کے صحف ابراہیم پڑھاتیں اور حفظ کراتیں اور انہیں لکھنا بھی سکھاتیں کیونکہ بعض روایات کے مطابق مکہ میں قلم سے کتابت سب سے پہلے انہوں نے ہی کی۔ (1)

---

1) احمد خلیل جمعہ، ازواج الانبیاء، دارالاشاعت، کراچی ۱۹۹۹ء

گویا عرب تہذیب کا مرکز مکہ تھا۔ اُس شہر کی بنیاد ہاجرہؑ نے ڈالی اور انہوں نے ہی عربوں کو لکھنا سکھایا۔ قلم سے ہی لکھا جاتا ہے اور علم کو کتابوں میں محفوظ کیا جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے:

قَيِّدُوا الْعِلْمَ بِالْكِتَابِ. (خطیب فی تاریخ بغداد) (1)

''علم کو کتاب میں (لکھ کر) محفوظ کرو''

جس طرح جدید سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ رحم مادر میں بچے کے دل (Fetal Heart) کی دھڑکن کو ماں کے دل کی دھڑکن جمپ سٹارٹ (Jump start) کرتی ہے۔ اسی طرح حضرت ہاجرہؑ نے عرب قوم کو لکھنا پڑھنا سکھا کر ایک جمپ سٹارٹ دیا اور یہی عرب قوم مسلمان اُمت بن کر اُبھری۔ ہاجرہؑ ایک عظیم ماں ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم ٹیچر بھی تھیں۔ اسی لیے اُن کی نسل سے جب امام الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو انہوں نے بھی یہی فرمایا:

اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا. (ابن ماجہ) (2)

''بیشک میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔''

حضرت ہاجرہؑ کی زندگی میں مسلمان خواتین کے لیے عظیم نمونہ ہے جنہوں نے ایک

---

1) یہ حدیث جسے حضرت انسؓ نے روایت کیا ہے ایک صحیح حدیث ہے۔ اِس حدیث کو ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم میں اور امام القضاعی نے مُسند الشهاب میں بھی روایت کیا ہے۔ شیخ البانی نے صحیح الجامع میں اِسے کو صحیح کا درجہ دیا ہے۔

2) محدث العراقی کے مطابق اِس حدیث کی سند میں ضعف ہے (تخریج الاحیاء) البتہ شیخ ناصرالدین البانی نے سلسلة الصحيحة (3593) میں اِس حدیث کو اِس بنا پر صحیح کہا ہے کہ اِس حدیث کے مضمون کو صحیح مسلم کی حدیث تقویت دیتی ہے۔

پوری تہذیب کو جنم دیا اور پروان چڑھایا لیکن اُس کے باوجود ہاجرہؑ کی زندگی کا مقصد کیریئر بنانا نہیں تھا۔انہوں نے پردے میں رہ کر ایک عظیم تہذیب کی تعلیم دی۔

آجکل کی بعض خواتین کیریئر کی جستجو میں ایک عظیم قوم کے لیے بچوں کی تعلیم و تربیت کی اصل ذمہ داری کو بھول جاتی ہیں۔UNO کے سوشل انجینئرنگ پروگرام کا اصل مقصد مسلمانوں کے فیملی سسٹم کو تباہ کرنا ہے اور اس لیے انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ مسلمان خواتین کو کیریئر اور لیڈر شپ کا جھانسا دے کر گھر سے باہر لائیں۔آج تحریک آزادیٔ نسواں، عورت کو گھر کی فکر سے بالکل ''آزاد'' کر دینا چاہتی ہے کیونکہ ماں کی محبت اور تربیت سے اچھے انسان تیار ہوتے ہیں کہ جو کہ دجالی نظام کے لیے انتہائی خطرناک ثابت ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نیویارک میگزین (New York Magazine) کے ستمبر ۱۹۷۵ء کے انٹرویو میں تحریک نسواں کے حمایتی فرانسیسی مفکر سائمون ڈے بیووائر (Simone de Beauvior) نے برملا کہا تھا: ''جب تک ہم خاندان، ماں پنا (Motherhood) اور ماں کی جبلی محبت (Maternal instinct) کے تصور کو تباہ نہیں کریں گے، عورت آزاد نہیں ہو سکتی۔''

آج مسلمان اُمت کی نجات حضرت ہاجرہؑ جیسی عظیم خاتون کی پیروی میں ہے جن کی مرنے کے وقت صرف ایک ہی خواہش تھی کہ آخری لمحات میں اُن کی نگاہیں خانہ کعبہ پر مرکوز ہوں۔

حج کے اثرات، ایک ماہر نفسیات کے لحاظ میں

سوڈان کے ڈاکٹر مالک بدری عالم اسلام کے مایہ ناز ماہر نفسیات اور ملائیشیا کی اسلامی یونیورسٹی کے سابق چانسلر ہیں۔انہوں نے اپنی کتاب: "The AIDS Crisis Islamic Sociocultural Study" میں حج کے ثمرات اور اثرات کے متعلق ایک

ماہر نفسیات کی حیثیت سے لکھا۔ڈاکٹر مالک بدری کے مطابق ہر سال حج کے موقع پر تقریباً دوملین سے زیادہ مسلمان سفر کے تمام اخراجات اپنی مرضی سے خرچ کر کے مکہ پہنچتے ہیں۔ تمام حجاج عرفات کی وادی میں دوپہر سے لے کر غروب آفتاب تک نماز اور استغفار کرتے ہیں۔ہجوم کی مشکلات،سخت گرمی،لق ودق صحرا اور کالے پہاڑ جوایک بڑے چولہے کی طرح حرارت خارج کر رہے ہوتے ہیں، ان تمام مشکلات کے باوجود حج کا تجربہ روحانی لحاظ سے اتنا مؤثر ہوتا ہے کہ اکثر حجاج کرام اپنے ممالک واپس لوٹتے ہیں تو اُن کی شخصیت بدل چکی ہوتی ہے۔نمازیں نہ پڑھنے والے اب نماز پنجگانہ شروع کر دیتے ہیں اور دیگر گناہ کے کاموں سے بھی وہ باز آ جاتے ہیں۔چند دہائیاں پہلے حج کرنے والوں کی اکثریت بوڑھے لوگوں کی ہوتی تھی لیکن اب اسلام کے احیاء کی لہر کی وجہ سے حج پر اکثریت جوانوں کی ہوتی ہے(جن کی عمریں چالیس سال سے کم ہوتی ہیں۔)

دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ جوان مسلمان مرد اور عورتیں سوئٹزرلینڈ کی جھیلوں کی خوبصورتی دیکھنے کے لیے یا لاس ویگاس (Las Vegas) کے ہوٹلوں کی سیر کرنے کے لیے سفر نہیں کرتے بلکہ وہ حج کی مشکلات کے باوجود پیسے دے کر یہ مقدس سفر کرتے ہیں حتیٰ کہ سعودی عرب کی حکومت کو حاجیوں کی تیزی سے بڑھتی تعداد کو کنٹرول کرنے کے لیے اب ہر ملک کا کوٹہ مقرر کرنا پڑا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ حج میں مسلمانوں کا تزکیہ کرنے کی بے پناہ طاقت موجود ہے۔ (1)

چند نومسلموں کے حج سے متعلق تاثرات

اِس مضمون کے اختتام پر حج کے مسحور کن سفر کے متعلق چند نومسلموں کے تاثرات بیان کیے جاتے ہیں جو انہوں نے حج کرنے کے بعد قلم بند کیے۔

1) Badri, Malik (1997). The AIDS Crisis: An Islamic Socio-cultural Perspective. Kuala Lumpur, The International Institute of Islamic Thought and Civilization.

۱) لیڈی زینب کوبولڈ

سب سے پہلی برطانوی نومسلم خاتون جس نے حج کے متعلق اپنے احساسات بیان کیے لیڈی ایولن کی بولڈ (Lady Evelyn Cobbold) تھی جو اسلام قبول کرنے کے بعد لیڈی زینب کوبولڈ کہلائیں۔ وہ سکاٹ لینڈ کے بہت بڑے وزیر کی بیٹی تھیں۔ انہوں نے ۱۹۳۳ء میں اسلام قبول کیا جبکہ اُن کی عمر ٦٦ برس تھی۔ اگلے برس حج کا سفر کیا اور اپنی کتاب "Pilgrimage to Mecca" (مطبوعہ لندن، ۱۹۳۴ء) میں اُسے قلمبند کیا۔ لیڈی زینب کوبولڈ نے حج میں وقوف عرفات کے متعلق لکھا: ''اُس منظر کو بیان کرنے کے لیے بہت بڑا قلم درکار ہے۔ انسانیت کا عظیم ہجوم جس کا میں ایک چھوٹا سا حصہ تھی۔ بہت سے حاجیوں کے رخساروں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ کچھ نے اپنے چہرے دعا کی حالت میں آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے تھے۔ اُن کی چمکدار آنکھیں، پرنم التجائیں اور اپنے ہاتھوں کو عاجزی کے ساتھ دعاؤں میں اٹھانا، اس نے مجھ پر وہ اثر ڈالا جو کسی چیز نے نہیں ڈالا تھا اور میں نے اپنے آپ کو روحانی بلندی کی ایک مضبوط موج کے اندر پایا...... جب میں میدان عرفات میں کھڑی تھی تو مجھے محسوس ہوا کہ میں ایک مقدس میدان میں کھڑی ہوں۔ میں نے اپنے تصور کی آنکھ سے حضور کو دیکھا کہ وہ تیرہ سوسال پہلے پرنم آنکھوں والے مجمع کو خطبہ حجۃ الوداع مجمع کو خطبہ حجۃ الوداع دے رہے ہیں۔ بیشک یہ نظارہ حج کے مناسب کی انتہاء ہے۔'' (1)

۲) محمد اسد (Leopold Weiss)

محمد اسد (سابقہ نام: لیوپولڈ ویس) آسٹریا کے یہودی تھے جنہوں نے ۱۹۲۶ء میں اسلام قبول کیا اور ۱۹۲۷ء سے ۱۹۳۲ء تک ۵ مرتبہ حج کیا۔ اپنی کتاب

1) Nawwab, Ni'mah Isma'il (July-August 1992) ARAMCO World (Dhahran, Saudi Arabia).

"طوفان سے ساحل تک" میں لکھتے ہیں کہ جب حج کے دوران وہ کعبہ پہنچے تو انہیں یہ احساس ہوا کہ "یہ وہ کعبہ تھا جو صدیوں سے آج تک لاکھوں کروڑوں انسانوں کا کعبہ شوق اور مرکز محبت ہے، نہ جانے کتنے حاجیوں نے اس مرکز حج تک رسائی کے لیے بڑی بڑی قربانیاں دیں، بہت سے راستہ ہی میں ختم ہو گئے اور بہت سے مشقت کے بعد پہنچ گئے، سب کی نگاہوں میں یہ چھوٹی سی مربع عمارت بسی ہوئی تھی۔ اُن کی آرزوؤں کا مرکز اور حسین خوابوں کی دنیا!...... میں آگے بڑھا اور اس مدور سیلاب کا جزو بن گیا۔ میں نے اپنے طواف جاری رکھا اور کئی منٹ گزر گئے، میں نے محسوس کیا کہ جو بھی میل کچیل میرے دل میں تھا، وہ سب زائل ہو رہا ہے۔" (1)

حج کے بعد مسجد نبویؐ کے سحر انگیز سفر کے متعلق محمد اسد نے درج ذیل الفاظ میں اپنے جذبات کا اظہار کیا:

"تیرہ سو برس گزر جانے کے بعد بھی آپ کا روحانی وجود اسی طرح زندہ ہے جیسے اس وقت تھا، اُنہی کی وجہ سے گاؤں کا وہ مجموعہ جس کا نام یثرب تھا، مسلمانوں کا محبوب شہر بن گیا ہے۔ اتنا محبوب کہ دنیا کا کوئی شہر انہیں اتنا محبوب نہیں ہے۔ اگر چہ اسلام کا روحانی شعور عالم اسلام کے اور حصوں کی طرح یہاں بھی مدھم اور کمزور پڑ چکا ہے، پھر بھی اپنے شاندار ماضی سے جذباتی لگاؤ جس کی تصویر کشی کسی کے بس میں نہیں آج بھی زندہ ہے، کوئی شہر ایسا نہیں ہے جس سے لوگوں نے کسی شخصیت کی وجہ سے اتنی محبت کی ہو جتنی کہ مدینہ، نہ دنیا میں کوئی ایسا شخص گزرا ہے جس نے اپنی وفات پر باوجود تیرہ سو برس گزر جانے کے اتنے انسانوں کے دلوں سے خراج محبت وصول کیا ہو، سوائے اُس شخصیت کے جو اس عظیم سبز گنبد کے نیچے آرام فرما ہے!" (1)

---

1) محمد اسد، طوفان سے ساحل تک، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ 1980ء

۳) الحاج میلکم ایکس شہید (Malcolm X)

امریکہ کے سیاہ فام مسلمانوں کے سب سے عظیم لیڈر میلکم ایکس نے ۱۹۵۸ء میں جیل سے رہائی کے بعد چھوٹے مدعیٔ نبوت علیجاہ محمد کے مذہب ''نیشن آف اسلام'' میں شمولیت اختیار کر لی۔ ۱۹۶۳ء میں جب میلکم کو علیجاہ محمد کی بدکرداری کا علم ہوا تو اس جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی۔ میلکم کی بڑی بہن اسلام قبول کر چکی تھی۔ اس نے میلکم کو پیسے دیئے اور حج پر جانے کا مشورہ دیا۔ جب میلکم ایکس حج پر گیا تو اس کی زندگی میں انقلاب آ گیا۔ اس نے ۱۹۶۴ء میں شاہ فیصل سے ملاقات کی اور اسلام قبول کیا۔ حج کے بعد سعودی عرب سے اس نے امریکہ میں اپنے شاگردوں کو خط لکھا جو اس نے اپنی کتاب "The Autobiography of Malcolm X" میں شامل کیا ہے۔ اس خط میں میلکم ایکس (الحاج ملک شہباز) لکھتے ہیں:

''یہاں پر پوری دنیا سے لاکھوں حجاج آئے تھے۔ ان میں نیلی آنکھوں والے سفید فام (Blue-eyed) سے لے کر افریقہ کے سیاہ فام بھی شامل تھے۔ لیکن وہ سب یکجہتی اور اخوت کی روح کے ساتھ ایک جیسے مناسک ادا کر رہے تھے، جو کہ میرے تجربے کے لحاظ سے امریکہ میں سفید فام اور سیاہ فام باشندوں میں کبھی نہیں آ سکتی..........

امریکہ کو اسلام کو سمجھنے کی ضرورت ہے کیونکہ یہی واحد مذہب ہے جو معاشرے سے نسل پرستی کے مسئلے کو مٹا دیتا ہے۔ تم لوگوں کو یہ باتیں پڑھ کر شاید انتہائی حیرت ہو لیکن اس حج میں جو کچھ میں نے دیکھا اور محسوس کیا اس نے مجھے مجبور کیا ہے کہ میں اپنے سابقہ نظریات پر نظر ثانی کروں..... پچھلے گیارہ دنوں میں ان لوگوں کے ساتھ ایک ہی برتن میں کھانا کھایا اور ایک ہی گلاس میں پانی پیا جن کی آنکھیں اتنی نیلی تھیں کہ جس کا اندازہ نہیں اور جن کے بال اتنے سنہری تھے کہ جس کی انتہا نہیں اور جن کی جلد انتہائی سفید تھی لیکن ان گورے مسلمانوں کے برتاؤ میں میں نے اتنا ہی اخلاص دیکھا جتنا کہ افریقہ کے سیاہ فام

مسلمانوں کے برتاؤ میں۔ہم یہاں پر حقیقتاً بھائی بھائی ہیں کیونکہ ایک خدا پر ایمان کی وجہ سے ان کے ذہنوں سے نسلی برتری کا تصور بالکل نکل گیا ہے۔'' (1)

۴) امام حمزہ یوسف (HamzaYusufHanson)

شیخ حمزہ یوسف نے 1977ء میں اسلام قبول کیا اور اسلامی علوم کی تحصیل کے لیے عرب ممالک کی دشت نوردی کی۔وہیں سے حج کے لیے گئے۔امریکی مصنف سٹیون بار بوز (Steven Barboza) اپنی کتاب "American jihad Islam After Malcolm X" میں امام حمزہ یوسف کے حج کے متعلق تاثرات انہی کے الفاظ میں بیان کرتا ہے:

''انسانیت خسارے میں ہے۔امریکی مفکر تھورو (Henry D. Thoreau) نے کہا تھا کہ اکثر لوگوں کی زندگیاں کافی مایوسی میں گزرتی ہیں۔ایک مسلمان کی زندگی میں ایک دوسرے قسم کی بے بسی اور بے چینی ہوتی ہے۔حضورؐ نے فرمایا تھا کہ دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور کافی کے لیے جنت۔یہ اس لیے کیونکہ مومن کی روح اس جسم میں قید ہوتی ہے جس میں اس کا نفس اسے ہمیشہ برائی کی طرف اکساتا رہتا ہے۔جب کہ اس کی روح نفس کی غلامی سے آزادی چاہتی ہے۔اس لحاظ سے حج روح کی اس آزادی اور پاک حالت میں داخل ہونے کی خواہش کا مظہر ہے......کعبہ اور مدینہ جیسی جگہ پوری دنیا میں کہیں نہیں۔یہ دونوں جگہیں روشنی کا منبع ہیں۔حج تمام معاشرتی اونچ نیچ کو ختم کردیتا ہے اور تمام لوگ سادہ کپڑوں میں ایک خدا کے سامنے کھڑے ہوجاتے ہیں۔'' (2)

---

1) X, Malcolm (1992). The Autobiography of Malcolm X. New York, Ballantine Books.

2) Barboza, Steven (1993). American Jihad: Islam After Malcolm X. New York, Doubleday Dell Publishing Group.

بِقَدْرِ الْكَدِّ تُكْتَسَبُ الْمَعَالِی
وَمَنْ طَلَبَ الْعُلا سَهِرَ اللَّيَالِی

(امام شافعیؒ)

(انسان جتنی محنت کرتا ہے اُتنا ہی اونچا مقام حاصل کرتا ہے،
جو بلند مرتبے کی خواہش کرتے ہیں اُنھیں راتوں کو جاگنا پڑتا ہے)

تہجد کی نماز ......ایک سائنسی تجزیہ

وہ زبردست قوت جس سے بہرہ مند ہونے والا شخص دنیا کی ہر طاقت سے ٹکرا سکتا ہے

تہجد کے معنی ہیں نیند توڑ کر اٹھنا۔رات کا ایک حصہ سونے کے بعد پھر اٹھ کر نماز پڑھی جائے۔تہجد کی کم سے کم دو رکعتیں ہیں (ابن حبان۔ترغیب والترھیب) اوسطاً چار اور زیادہ سے زیادہ آٹھ (یا بارہ) رکعتیں ہیں۔ یہ نماز اللہ کے ہاں بہت مقبول ہے۔نفل نمازوں میں سب سے زیادہ اس کا ثواب ہے۔(مسلم۔ترمذی۔ابوداؤد) قرآن میں تہجد کی فضیلت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِيْ جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿ آخِذِيْنَ مَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ﴿ كَانُوا قَلِيْلاً مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ﴿ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿ (سورہ الذاریات:۱۸۔۱۵)

''بے شک اللہ سے ڈرنے والے باغوں اور چشموں میں ہوں گے اور اُس (نعمت) کو لیں گے جسے اُن کا رب انہیں دے گا۔بے شک وہ اِس سے پہلے

احسان (ہر کام خیر وخوبی سے) کرنے والے تھے۔ رات کو بہت کم سوتے تھے اور رات کی آخری گھڑیوں میں اللہ سے بخشش طلب کیا کرتے تھے۔''

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْناً وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوا سَلاماً ﴿ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّداً وَقِيَاماً ﴾ (سورہ الفرقان:۶۴-۶۳)

''اور اللہ کے بندے وہ ہیں جو زمین پر نرمی سے چلتے ہیں اور جب جاہل قسم کے لوگ اُن سے مخاطب ہوتے ہیں تو وہ اُن سے یہ کہتے ہیں کہ بھئی سلام (معاف کرو) یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کے حضور قیام اور سجدہ کرتے ہوئے رات بسر کرتے ہیں۔''

حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَيُّهَا النَّاسُ اَفْشُوْا السَّلامَ ، وَ اَطْعِمُوْا الطَّعَامَ ، وَ صَلُّوْا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ ، تَدْخُلُوْا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ

(رواه ترمذی و قال: حديث حسن صحيح)

''اے لوگو تم کو چاہیے کہ سلام کو عام کرو، غریبوں کو کھانا کھلاؤ اور رات کو عبادت کرو جبکہ لوگ سو رہے ہوتے ہیں۔ تمھیں جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل کر دیا جائے گا۔''

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ اُس شخص پر رحم کرتا ہے جو آدھی رات میں اٹھتا ہے اور تہجد کی نماز پڑھتا ہے اور

اپنی بیوی کو بھی جگاتا ہے اور وہ بھی نماز پڑھتی ہے اور اگر وہ انکار کرے تو وہ اُس کے منہ پر پانی کے چھینٹے (پیار سے) پھینکتا ہے اور اللہ اُس عورت پر بھی نظر کرم فرماتا ہے جو رات کو اٹھ کر تہجد پڑھتی ہے اور اپنے خاوند کو بھی تہجد کے لیے جگاتی ہے اور اگر وہ انکار کرے تو وہ عورت (پیار سے) اپنے خاوند کے منہ پر پانی کے چھینٹے پھینکتی ہے۔"

(سنن ابوداؤد) (1)

تہجد کی نماز کے اجر و ثواب کا اندازہ اِس حدیث سے لگایا جا سکتا ہے جو عبداللہ بن عمرؓ نے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فی الجنة غرفة یری ظاهرها من باطنها، و باطنها من ظاهرها، فقال ابو مالک الاشعری: لمن هی یا رسول الله؟ قال: لمن اَطاب الکلام، و اَطعم الطعام، و بات قائما والناس نیام (احمد، الطبرانی) (2)

"جنت میں ایسے شفاف کمرے ہیں کہ جن کے اندر سے باہر کا سب کچھ نظر آتا ہے اور باہر سے اندر نظر آتا ہے۔ ابو مالک الاشعری نے سوال کیا: یا رسول اللہ، وہ کس کے لئے ہوں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ اللہ نے اُن لوگوں کے لیے تیار فرمائے ہیں جو نرم انداز میں گفتگو کرتے ہیں۔ غریبوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور راتوں کو اُٹھ کر نمازیں (تہجد) پڑھتے ہیں جب کہ لوگ سو رہے ہوتے ہیں۔"

---

1) امام ابوداؤد نے اِس حدیث کو صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

2) اِس حدیث کو امام احمد اور امام الطبرانی نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ امام الحاکم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اُن دونوں کی شرائط کے مطابق صحیح کا درجہ رکھتی ہے۔

توبہ کا بہترین وقت

اللہ کے حضور میں اپنے گناہوں سے مغفرت طلب کرنے کا بہترین وقت تہجد کا ہوتا ہے۔حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب رات کا تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے، تو ہمارا رب بزرگ و برتر پہلے آسمان پر اترتا اور فرماتا ہے: ''ہے کہ کوئی میرے حضور دعا کرنے والا کہ میں اُس کی دعا قبول کروں؟ ہے کوئی سوال کرنے والا کہ میں اُس کا سوال پورا کروں؟ ہے کوئی بخشش چاہنے والا کہ میں اسے بخش دوں۔''

(بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی)

تہجد کا وقت اپنی ماضی کی زندگی کا محاسبہ کرنے اور اپنے کیے ہوئے گناہوں پر ندامت کا بہترین وقت ہوتا ہے۔اس وقت انسان کی یادداشت کی صلاحیت (Ability to recall) اپنے عروج پر ہوتی ہے۔۱۹۹۰ء کی دہائی میں امریکہ کے سائنسی جریدے (Scientific American) میں ایک ریسرچ چھپی تھی جو امریکہ کی یونیورسٹی آف پنسلوینیا (University of Pennsylvania) اور اسرائیل کی ایک یونیورسٹی، دو جگہوں پر کی گئی تھی جس میں انسانوں اور جانوروں کے دماغوں پر برقی الیکٹروڈ (Electrodes) لگا کر نیند کے دوران ان کے دماغوں کا تجزیہ کیا گیا۔اس تحقیق کا نتیجہ یہ تھا کہ نیند لینے کے بعد انسان کی یادداشت کی صلاحیت میں اضافہ ہوتا ہے (Enhancement of Memory Process) چنانچہ رات کی آخری گھڑیوں میں جب بندہ نیند سے بیدار ہو کر تہجد کی نماز ادا کرتا ہے تو دعا کے دوران اپنی ماضی کی کوتاہیوں کو رات کی خاموشی میں با آسانی یاد کرسکتا ہے۔اُن پر ندامت کے آنسو بہا کر اللہ کے حضور گڑگڑا کر معافی مانگ سکتا ہے۔آئندہ کے لیے اپنے گناہوں سے صدق دل

سے تو بہ کرسکتا ہے۔ اسی قسم کے لوگوں کے متعلق اللہ تعالی نے سورہ آل عمران میں فرمایا ہے:

الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اِنَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۞ الصَّابِرِيْنَ وَالصَّادِقِيْنَ وَالْقَانِتِيْنَ وَالْمُنفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْأَسْحَارِ۞ (سورہ آل عمران:۱۶،۱۷)

"یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ "مالک! ہم ایمان لائے، ہماری خطاؤں سے درگزر فرما اور ہمیں آتش دوزخ سے بچالے۔" یہ لوگ صبر کرنے والے ہیں، راست باز ہیں، فرمانبردار اور فیاض ہیں اور رات کی آخری گھڑیوں میں اللہ سے مغفرت کی دعائیں مانگا کرتے ہیں۔"

ہاں البتہ ایک چیز کا خیال رہے کہ حرام کی کمائی سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔ رسول کریمؐ نے فرمایا کہ:

الرجل يطيل السفر أشعث أغبر يمد يده إلى السماء يارب يارب و مطعمه حرام و مشربه حرام و ملبسه حرام وغذى بالحرام فأنى يستجاب لذالک (صحیح مسلم)

"جس شخص کی کمائی اور آمدنی حرام ہو اور اس کی خوراک، مشروب اور لباس حرام کی کمائی سے آئے ہوں تو ایسے شخص کی دعا اللہ تعالی کیسے قبول کرسکتا ہے۔"

تہجد کی نماز اور گریہ وزاری تبھی نفع بخش ہوسکتے ہیں جب انسان رزق حلال کا اہتمام کرتا ہو اور اس کے گھر میں سب لوگ رزق حلال کماتے ہوں۔ مثال کے طور پر آج کل کے دور میں جو والدین ساری زندگی حلال کی کمائی کرنے کے بعد اپنے نوجوان لڑکوں

کو ویڈیو فلم سٹورز یا کوئی اور شرعی لحاظ سے حرام بزنس کھول کردے دیتے ہیں، وہ اپنی تمام زندگی کی کمائی کو جہنم کی آگ میں جھونک دیتے ہیں اور اپنے بچوں کو حرام کی کمائی میں غرق کر دیتے ہیں۔ اسی طرح دیگر حرام کی کمائی کے پیشوں کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔

تہجد کے وقت اُٹھنے کے طبی فوائد

رات کی آخری گھڑیوں میں اٹھ کر تہجد ادا کرنے سے ویسے تو وہ تمام میڈیکل فوائد حاصل ہوتے ہیں جو ہر نماز سے حاصل ہوتے ہیں مثلاً جسم کے پٹھوں اور جوڑوں کی ورزش، سجدے کی وجہ سے چہرے کے مساموں (Tissues) میں خون کی مزید گردش، انسان کے Sinuses میں جمع شدہ بلغم کا اخراج، رات کو تنفس (Breathing) کی رفتار آہستہ ہونے کی وجہ سے پھیپھڑوں کے مکمل طور پر کھل نہ سکنے کی وجہ سے ایک تہائی ہوا (Residual) جمع ہوتی ہے اسے بھی پھیپھڑوں سے نکلنے اور داخل ہونے کا موقع مل جاتا ہے۔ سجدے کی حالت میں دماغ کو زائد خون پہنچتا ہے جو اس کی نشوونما کے لیے اہم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ سحری خیزی کے مزید بھی بے شمار فوائد ہیں جو نمازِ تہجد کے وقت اٹھنے کے ساتھ مخصوص ہیں۔ حضرت سلمان الفارسیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کرتے ہیں:

عَلَيْكُمْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ فَاِنَّهُ دَأْبُ الصَّالِحِينَ قَبْلَكُمْ، وَاِنَّ قِيَامَ اللَّيْلِ قُرْبَةٌ اِلَى اللهِ، وَ مَنْهَاةٌ عَنِ الْاِثْمِ، وَتَكْفِيرٌ لِلسَّيِّئَاتِ، وَ مَطْرَدَةٌ لِلدَّاءِ عَنِ الْجَسَدِ. (الترمذی) (1)

"تہجد کے وقت اٹھ کر نماز پڑھنے کی عادت بنالو کیونکہ تم سے پہلی قوموں کے صالح لوگوں کی یہ عادت تھی، یہ تمہیں خدا سے قریب کرتی ہے، تمہارے گناہوں کا کفارہ

---

1) شیخ ناصر الدین البانی نے ترمذی کی اِس حدیث کو حسن کا درجہ دیا ہے۔

ہے، تمہارے گناہوں کو مٹاتی ہے اور جسم سے بیماری دور کرتی ہے۔"

اس حدیث میں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ حدیث جس صحابی نے روایت کی ہے یعنی سلیمان الفارسیؓ اُن کا خود اِس حدیث پر اتنا عمل تھا کہ وہ اس حدیث کی جاگتی تصویر تھے۔ اُنہوں نے بہت لمبی عمر پائی، بعض روایات کے مطابق 150 سال اور بعض کے مطابق 250 سال۔ ابن حجرؒ نے "الاصابہ فی تمیز الصحابہ" میں لکھا ہے کہ سلمان الفارسیؓ نے 250 سال کی عمر میں وفات پائی۔ اسی طرح ایک صحیح حدیث میں رسول کریمؐ نے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لِاُمَّتِی فِی بُکُورِھَا.

(ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، صحیح ابن حبان) (1)

"اے اللہ میری اُمت کے لیے صبح اُٹھنے میں برکت رکھ دے۔"

اِس میں شک نہیں کہ تہجد کے وقت اٹھنا جسم سے بیماریوں کو دور کرتا ہے۔ صبح جلدی بیدار ہونے سے جسم میں جمع شدہ فضلات (پیشاب و پاخانہ وغیرہ) کو جسم سے جلدی نکلنے کا موقع مل جاتا ہے جو کہ بصورت دیگر جسم میں رہ کر فساد پیدا کرتے ہیں اور گُردوں پر زائد بوجھ پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ آکسیجن سے بھرپور صبح کی تازہ ہوا میں سانس لینے سے پھیپھڑوں اور دماغ کو تقویت ملتی ہے۔ امریکہ کے نامور مفکر، سیاست دان اور سائنس دان بینجمن فرینکلن (Benjamin Franklin) نے سحر خیزی کے انہی فوائد کے پیش نظر اپنی کتاب "Poor Richard`s Almanack" میں یہ قول زریں رقم کیا تھا:

(Early to Bed and Early to Rise,
Makes the Man Healthy, Wealthy and Wise)

---

1) اِس حدیث کو بہت سے محدثین نے مختلف طُرق سے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے اِس حدیث کو حسن کا درجہ دیا ہے اور امام ابن حبان نے اِس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

''رات کوجلدی سونا اور صبح جلدی اٹھنا انسان کوصحت مند، مال دار اور عقل مند بنا تا ہے۔''

امریکہ کے ڈاکٹر ڈینیل کرپک (Daniel F. Kripke, MD) اوران کے معاون سائنسدانوں نے امریکن کینسر سوسائٹی کی چھ سالہ تحقیق (1982ء سے 1988ءتک) میں ایک ملین سے زیادہ امریکیوں کے سونے کے معمول اور صحت کے بارے میں سائنسی سروے کیا۔ اس تحقیق میں شامل لوگوں کی عمریں 30 سال سے 102 سال پر محیط تھیں۔اس تحقیق کے مطابق جولوگ روزانہ 8 گھنٹے سے زیادہ سوتے ہیں ان کی شرح اموات ان لوگوں کے مقابلے میں جو روزانہ 8 گھنٹے یا اس سے کچھ کم سوتے ہیں، تین گناہ زیادہ ہوتی ہیں۔ مزید برآں، جو لوگ روزانہ 10 گھنٹے سوتے ہیں (چھوٹے بچوں کے علاوہ) اُن کے مرنے کے امکانات (Death Risk) اتنے ہی ہوتے ہیں جتنے موٹے لوگوں کے ہوتے ہیں۔ اِس تحقیق کے سربراہ سائنسدان ڈاکٹر کرپک نے بتایا:

"You really don't have to sleep for eight hours and you don't have to worry about it. It is evidently very safe to sleep only seven, six, or even five hours a night." (1)

''ہمیں روزانہ لازمی 8 گھنٹے سونا ضروری نہیں۔ یہ بات واضح ہے کہ رات کو 7 یا 6 بلکہ 5 گھنٹے سونا بھی صحت کے لیے محفوظ ہے۔''

ہمارے جسم کے نظاموں پر مصنوعی روشنی کافی گہرے اثرات مرتب کرتی ہے۔ رات کو دیر سے سونا خصوصاً جب ٹی وی یا کمپیوٹر کی سکرین سے نکلنے والی مصنوعی روشنیوں کے

---

1) DeNoon, Daniel J. (Feb. 14, 2002) "Are You Sleeping Enough -- or Too Much?" WebMD Medical News (Reviewed by Charlotte Grayson Mathis, MD) http://www.webmd.com/sleep-disorders

سامنے بیٹھا جائے۔صبح دیر سے اٹھنا بھی انسان کی صحت پر برے اثرات مرتب کرتا ہے۔ سورج کے غروب ہو جانے کے بعد انسان کے جسم کے اندر خدا تعالیٰ کی لگائی ہوئی فطری گھڑی (Circadian Rhythm) جسم کو یہ پیغام دیتی ہے کہ جسم میں خارج ہونے والے دباؤ (Stress) کے ہارمون یعنی Cortisol کی مقدار کم ہو جائے اور اس کے مقابلے میں رات کے اندھیرے میں خارج ہونے والے ہارمون (Melatonin) کی مقدار خون میں زیادہ ہو۔ Cortisol ہارمون کے جہاں فوائد ہیں وہاں اس کا ایک نقصان یہ ہے کہ یہ انسان کو بوڑھا جلدی کرتا ہے۔ اس کے برعکس Melatonin ہارمون جو دماغ کے پائینیل غدود (Pineal Glands) سے خارج ہوتا ہے۔ نیند لانے میں مدد کرنے کے علاوہ جسم میں مرمت وغیرہ کے عمل میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ (1)

جب انسان تیز مصنوعی روشنیوں کے سامنے رات کو بیٹھا رہے اور پھر سورج نکل آنے کے بعد بھی سوتا رہے تو جسم کے اندر ہارمونز کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے اور جسم کے دباؤ (Stress) کا مقابلہ کرنے، وزن کم کرنے اور جسم کے عضلات (Tissues) کی مرمت، وغیرہ کی صلاحیت متاثر ہوتی ہے اور انسان کی صحت پر وقت گزرنے کے ساتھ برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

تہجد کے وقت اُٹھنے سے دماغی قوتوں کو بھی تقویت ملتی ہے۔ 2000ء میں امریکہ کے ایک مؤقر میڈیکل جریدے جرنل آف امریکن کالج آف ہیلتھ (Journal of American College of Health) میں ایک تحقیق چھپی جو امریکی ریاست یوٹاہ (Utah) کی بریگھیم ینگ یونیورسٹی (Brigham Young University) کے طالب علموں پر کی گئی۔ یہ ریسرچ

---

1) Beers, Mark H. (2003). The Merck Manual of Medical Information: Home Edition. New York, Pocket Books

جو وہاں کے سال اول کے 184 طلباء و طالبات پر کی گئی اس کا نتیجہ یہ تھا کہ جو طالب علم جتنی دیر سے صبح بیدار ہوتے تھے امتحانات میں ان کے نمبر (Grades) اتنے ہی کم آئے تھے۔ امتحانات میں بری کارکردگی اور کم مارکس حاصل کرنے کا انطباق ان طالب علموں پر بھی ہوتا تھا جو ویک اینڈ (Weekend) کی صبح کو دیر سے بیدار ہوتے تھے۔ اس کے برخلاف سحر خیزی کی عادت رکھنے والے طالب علموں کی امتحانات میں کارکردگی بہت اچھی تھی۔ اس تحقیق پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر جوزف مرکولا (Joseph Mercola) نے کہا کہ ہمارے اعضاء، بالخصوص ایڈرنل غدود (Adrenal glands)، ہمارے جسم میں مرمت اور تعمیر کا کام رات کے اوائل میں کرتے ہیں اور اس وقت انسان کے لئے سونا مددگار ثابت ہوتا ہے۔ (1)

ماہرین نفسیات ہمیں بتاتے ہیں کہ جسم میں مرمت اور تعمیر کا کام گہری نیند کے مرحلہ 3 اور 4 (Dreamless Sleep) یعنی بغیر خواب کے نیند، میں ہوتا ہے۔ اسی مرحلے میں یادداشت کے نئے خلیے دماغ کے Hippocampus میں بنتے ہیں۔ پھر مرحلہ 5 ، جسے ریم نیند RapidEyeMovement (REM) sleep کہتے ہیں، میں خواب آتے ہیں۔ یہ مراحل رات کو چار یا پانچ مرتبہ دہرائے جاتے ہیں۔ تجربات یہ بتاتے ہیں کہ رات کے آخری حصے میں آئے ہوئے خواب انسان کو رات کے پہلے حصے کے خوابوں کے مقابلے میں زیادہ اچھی طرح یاد رہتے ہیں کیونکہ رات کے آخری حصے تک یادداشت کے نئے خلیے تیار ہو چکے ہوتے ہیں۔ یادداشت کی تقویت کے اس عمل کے بعد جاگ کر جب انسان نماز تہجد میں قرآن پڑھتے ہوئے اُس پر تدبر کرتا ہے اور اللہ کے ہاں گڑگڑا کر اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہے تو اس کے وہ الفاظ اس کے حافظے کی لوح پر مرتسم ہو جاتے ہیں اور اس کے کردار کا حصہ بن جاتے ہیں۔

---

1) http://www.mercola.com/2001/jan/14/sleep.htm

دعوت وتبلیغ کا کام کرنے والوں کے لیے تہجد

عموماً یہ سمجھا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر تہجد کی نماز فرض ہوتی ہے جب کہ عام لوگوں کے لیے یہ نماز نفل ہے لیکن یہ بات جان لینا ضروری ہے کہ اسلامی تحریکوں کے کارکنوں اور اسلام کی دعوت وتبلیغ کرنے والوں کے لیے تہجد کی نماز نہایت ضروری ہے۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔ اسلام کی دعوت وتبلیغ کا کام کرنے والے نبوی مشن سرانجام دے رہے ہوتے ہیں جن کے متعلق حضورؐ نے فرمایا:

ان العلماء ورثة الانبياء. (سنن ابی داؤد۔ ابن ماجہ) (1)

''علماء نبیوں کے وارث ہوتے ہیں۔''

رات کے آخری پہر کی میٹھی نیند کی قربانی دے کر اٹھنے سے اسلام کا کام کرنے والوں کی قوت ارادی میں مضبوطی آتی ہے۔ سورہ المزمل میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ قِيلاً ﴿﴾

(سوره المزمل: آیت ٦)

''درحقیقت رات کا اٹھنا نفس پر قابو پانے کے لیے بہت کارگر اور قرآن کو ٹھیک پڑھنے کے لیے زیادہ موزوں ہے۔''

نیند انسان کے اندر ایک انتہائی قوی محرک ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انسان کی فطرت بھی آرام طلب واقع ہوئی ہے۔ اس لیے اللہ نے فرمایا ہے کہ رات کو عبادت کے لیے اٹھنا اور دیر تک کھڑے رہنا چونکہ طبیعت کے خلاف ہے اور نفس اُس وقت آرام کا

---

1) اس حدیث کو امام ابن حبان نے اپنی صحیح ابن حبان میں اور امام احمد بن حنبل نے مُسند احمد میں حضرت ابو درداء سے روایت کیا ہے اور یہ حدیث ہر سند سے حسن درجے کی ہے۔ شیخ ناصرالدین الالبانی نے بھی اِسے حسن کا درجہ دیا ہے۔

مطالبہ کرتا ہے، اس لیے یہ فعل ایسا مجاہد ہے جو نفس کو دبانے اور اس پر قابو پانے کی بڑی زبردست تاثیر رکھتا ہے۔ یہ عبادت چونکہ دن کی عبادت کی بہ نسبت آدمی پر زیادہ گراں ہوتی ہے اس لیے اس کے التزام کرنے سے آدمی میں بڑی ثابت قدمی پیدا ہوتی ہے۔ وہ خدا کی راہ میں زیادہ مضبوطی کے ساتھ چل سکتا ہے اور دین حق کی دعوت کو دنیا میں غالب کرنے کے لیے کام کرسکتا ہے۔

تہجد کی نماز دعوت دین کا کام کرنے والوں کے ظاہر و باطن میں مطابقت پیدا کرنے کا بڑا کارگر ذریعہ ہے کیونکہ رات کی تنہائی میں جو شخص اپنا آرام چھوڑ کر اٹھے گا تو وہ اخلاص ہی کی بنا پر ہوگا، اس میں ریا کاری کا سرے سے کوئی موقع نہیں۔

رات کی خاموشی میں تہجد کی نماز ادا کرنے سے انسان کو عبادت میں خشوع و خضوع پیدا کرنے کا موقع مل جاتا ہے کیونکہ اس وقت ذہن کو یکسوئی میسر ہوتی ہے۔ پھر یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ انسان کے ایمان کی تربیت کس حد تک ہوئی ہے۔ کہیں انسان کا وہ حال تو نہیں جس کے متعلق اقبالؒ نے اپنی نظم "جواب شکوہ" میں لکھا تھا:

کس قدر تم پہ گراں صبح کی بیداری ہے
ہم سے کب پیار ہے، ہاں نیند تمہیں پیاری ہے

نماز تہجد کی برکت سے دین کے خادموں کو اللہ تعالیٰ شخصیت کا وقار نصیب فرماتا ہے جیسا کہ ایک حدیث نبویؐ میں بیان ہوا ہے:

جاء جبريل الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال محمد اعلم ان شرف المومن قيام الليل وعزه استغناء عن الناس

(رواہ طبرانی فی الاوسط باسناد حسن فی حدیث) (1)

---

1) امام الهیثمی نے اِس حدیث کی سند کو حسن کا درجہ دیا ہے۔ شیخ البانی نے بھی اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

''سہل بن سعدؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبرائیل آئے اور اُن سے کہا: اے محمدؐ! جان لو کہ مومن کی عزت و وقات تہجد کی نماز میں ہے اور اس کی عظمت لوگوں سے مدد طلب نہ کرنے میں ہے۔''

مولانا ابوالکلام آزادؒ بچپن ہی سے سحر خیز تھے۔ اپنی کتاب ''غبار خاطر'' میں اِس عادت کے فوائد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ایک بڑا فائدہ اس عادت سے یہ ہوا کہ میری تنہائی میں اب کوئی خلل نہیں ڈال سکتا۔ صبح کی اس مہلت میں تھوڑی سی آگ جو سلگ جاتی ہے، اس کی چنگاریاں بجھنے نہیں پاتیں، راکھ کے تلے دبے دبائے کام کرتی رہتی ہیں...... اس سحر خیزی کی عادت کے لیے والد مرحوم کا منت گزار ہوں۔ ان کا معمول تھا کہ رات کے پچھلے پہر ہمیشہ بیداری میں بسر کرتے۔ فرمایا کرتے تھے کہ رات کو جلد سونا اور جلد اٹھنا زندگی کی سعادت کی پہلی علامت ہے۔''

عصر حاضر کے یمن کے مایہ ناز عالم اسلام امام انور العولکی نے اپنے ایک خطاب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دعوت دین کے کام کرنے والوں کے لیے تین چیزوں کا حکم دیا ہے:

1. اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ﴿ (سورہ العلق: ۱)
''پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔''

2. قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلاً﴿ (سورہ المزمل:۲)
''رات کے کچھ حصے میں نماز کے لیے کھڑے رہا کرو۔''

3. قُمْ فَاَنْذِرْ﴿ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ﴿ (سورہ المدثر:۳ ، ۲)
''اٹھو اور خبردار کرو (آخرت کے متعلق) اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو۔''

یعنی دعوت دین کے کام کرنے والوں کو تین چیزیں اپنے ساتھ باندھ لینی چاہئیں جو کہ ''اقراء'' ''قم'' اور ''قم'' ہیں۔ ''اقراء'' سے مراد ہے دین کا علم حاصل کرو۔ ''قم الیل '' کا مطلب ہے رات کو تہجد کی نماز اپنے اوپر لازم کرو اور ''قم فانذر '' کا مطلب ہے اسلام کی دعوت کو لوگوں تک پھیلاؤ۔ عبادت کے بغیر انسانی دل پتھر کی طرح سخت ہو جاتا ہے۔ اِسکے لیے تہجد کی نماز اہم ہے۔ امام انور العولکی کے مطابق اسلام کی تبلیغ کرنے والے اور تحریکی کارکن مسلمانوں کو ''اِقْـرَاء۔ قُـمْ۔ قُـمْ '' کی چلتی پھرتی تصویر ہونا چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے ہی لوگوں سے شیطان کو اصل خطرہ ہوتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق اقبال کی نظم بعنوان ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' میں شیطان نے اپنے چیلوں سے کہا تھا:

خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ
کرتے ہیں اشکِ سحر گاہی سے جو ظالم وضو

(ارمغان حجاز)

یعنی شیطان اپنے چیلوں کو تنبیہہ کرتا ہے کہ امت محمدیؐ میں اب بھی آٹے میں نمک کے برابر ایسے لوگ موجود ہیں جو ہمارے لیے خطرے کی گھنٹی ہیں۔ یہ لوگ تہجد کے وقت اللہ کے حضور اپنے آنسوؤں سے وضو کرتے ہیں۔

تہجد کے وقت اٹھنے کی تدابیر

رات کو سونے سے پہلے تہجد کی نیت کر لینا اہم ہے کیونکہ اس طرح اگر آنکھ نہ بھی کھلے تو حدیث کے مطابق بندے کو تہجد کا ثواب مل جاتا ہے۔(سنن نسائی۔ابن ماجہ)

رات کو سونے سے پہلے پیٹ بھر کر مرغن قسم کا کھانا کھانے سے اجتناب برتنا چاہیے۔ ویسے بھی بہت مرغن کھانے خصوصاً جب کہ رات کو کھائے جائیں تو وہ دل کے امراض (coronary heart disease) کا باعث بن سکتے ہیں۔

امریکہ کے نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ہیلتھ (NIH) کے مطابق 80 فیصد امراض کا باعث خوراک ہوتی ہے۔ بسیار خوری بیماریوں کی ماں ہے۔

شیخ فتح موصلیؒ نے ایک مرتبہ فرمایا: ''میں نے تمیں ابدال کی صحبت اٹھائی۔ سب نے یہی کہا: خلق کی صحبت سے بچو۔ کم کھاؤ اور کم بولو۔'' مزید برآں، غیبت سے اجتناب بھی ضروری ہے۔ امام غزالیؒ ''احیاء العلوم'' میں ایک بزرگ کا قصہ لکھتے ہیں، جنہوں نے ایک مرتبہ کسی کی غیبت کی تو دو ماہ تک اللہ کی طرف سے سزا کے طور پر تہجد کے وقت اُن کی آنکھ ہی نہ کھل پائی تھی۔ علاوہ ازیں، رات کو بلاوجہ وقت ضائع کرنے کی بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرتے ہوئے عشاء کی نماز کے بعد جلدی سو جانا چاہیے اِلا یہ کہ کوئی مجبوری حائل ہو مثلاً طالب علموں نے سکول یا کالج کا کام ختم کرنا ہوتا ہے، وغیرہ۔ رات کو ٹی وی یا انٹرنیٹ پر بیٹھ کر اپنا وقت نہیں ضائع کرنا چاہیے۔ امریکہ کے نومسلم عالم شیخ حمزہ یوسف اپنی کتاب 'Agenda to Change Our Condition' میں لکھتے ہیں: ''اس صدی میں انسان کے وقت کے دو سب سے بڑے چور ٹی وی اور انٹرنیٹ ہیں جن سے ہر مسلمان کو ہوشیار رہنا چاہیے۔'' (1)

اگر ہم رات کو سونے میں تاخیر کریں گے تو لازمی بات ہے کہ تہجد کے وقت یا فجر کے وقت اٹھنے میں دشواری ہوگی۔ کینیڈا کے نومسلم عالم اور فقیہہ ڈاکٹر بلال فلپس (Dr Bilal Philips) نے ایک مرتبہ نوجوانوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا: ''نوجوان یہ کہتے ہیں کہ صبح کی نماز کے لیے اٹھنا ان کے لیے مشکل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم رات کو وقت پر سو جائیں تو ہمیں صبح کی نماز کے لیے اٹھنے میں کبھی مشکل پیش نہ آئے۔''

تہجد کی نماز میں بندہ جتنے بھی نوافل پڑھے اُن میں باقاعدگی ضروری ہے۔ یہ نہیں کہ کچھ دن پڑھ کر نماز چھوڑ دی الا یہ کہ کوئی مجبوری یا عذر لاحق ہو۔ رسول کریم صلی

1) Yusuf, Hamza Hanson (2004) Agenda to Change Our Condition. Zaytuna Publications, Hawyard, California.

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَی اللہِ اَدْوَمُھَا وَاِنْ اَقَلَّ ۔(بخاری۔مسلم)

''اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ اعمال وہ ہیں جو مستقل کیے جائیں چاہے وہ تھوڑے ہی کیوں نہ ہوں۔''

امریکہ کے ڈاکٹر جوزف مرکولا (Joseph Mercola) میڈیکل ڈاکٹر ہونے کے علاوہ مذہب پر کاربند عیسائی بھی ہیں اور جدید طریقہ علاج المعروف "Total Health Program" کے مصنف بھی ہیں۔وہ اپنے طریقہ علاج میں رات کو جلدی سونے اور صبح جلدی بیدار رہونے پر بہت زور دیتے ہیں۔انہوں نے رات کو اچھی اور گہری نیند سونے کے بارے میں چند مشورے دیئے ہیں تا کہ صبح جلدی بیدار رہوا جا سکے۔ان کے مطابق نیند والے کمرے میں روشنی انتہائی کم ہونی چاہیے۔آدھی رات کو بیدار ہو کر بیت الخلاء میں بھی جائیں تو روشنی چکا چوند نہیں ہونی چاہیے ورنہ دوبارہ نیند آنے میں دیر لگے گی۔ٹی وی اور انٹرنیٹ کو بھی اپنے بیڈروم سے نکال دینا چاہیے کیونکہ یہ ذہن کو اتنا متحرک (Stimulate) کر دیتے ہیں کہ نیند اڑ جاتی ہے(جو شیطانی روشنی کا کمال ہے)۔رات کو چائے یا کافی نہیں پینی چاہی۔اپنے سونے کے اوقات تبدیل نہیں کرنے چاہئیں۔ڈاکٹر مرکولا نے ایک مزید مشورہ یہ بھی دیا کہ ہمیں رات کو سونے سے پہلے سنسنی خیز (Suspense) ناول یا ڈائجسٹ نہیں پڑھنے چاہئیں کیونکہ یہ بھی ذہن کو متحرک کر دیتے ہیں۔اس کے برعکس ہمیں کوئی روحانی عمل یا مذہبی کتاب پڑھنی چاہیے کہ اس سے ذہن کو آرام (Relaxtion) ملتا ہے۔ڈاکٹر مرکولا کو شاید علم نہیں کہ مسلمانوں کو اس بات کی تلقین ہے کہ سونے سے پہلے بستر پر لیٹ کر آیت الکرسی پڑھیں، معوذتین پڑھیں، سورہ الملک پڑھیں، رات کو سوتے وقت کے اذکار پڑھیں۔ان تمام تدابیر سے نیند اچھی آتی ہے اور تہجد کے وقت بیدار رہونے میں مدد ملتی ہے۔

تاریخ سے چند مثالیں

اگر ہم تاریخ اسلام کی ورق گردانی کریں تو ہم دیکھیں گے کہ تمام علمائے اسلام، اولیائے عظام اور صلحائے امت، تہجد کی نماز اور قیام اللیل کے پابند تھے۔ شاید اسی لیے اقبال نے فرمایا تھا:

عطارؒ ہو، رومیؒ ہو، رازیؒ ہو، غزالیؒ ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

ایک بزرگ تہجد کے بہت پابند تھے۔ ایک روز اپنے مکان میں سو رہے تھے۔ انہیں کسی نے آ کر جگا دیا۔ بزرگ نے پوچھا، کون ہو؟ کہنے لگا، میں ابلیس ہوں اور آپ کو اس لیے جگایا کہ آپ نماز پڑھیں۔ آپؒ نے فرمایا: تو اور نماز، تیرا نماز سے کیا تعلق؟ اُس نے کہا، بات یہ ہے کہ کل آپ کی تہجد کی نماز قضا ہو گئی تھی۔ آپ نے بہت گریہ وزاری کی۔ اِس پر خدا نے آپ کو دوہرا اجر عطا کر دیا۔ مجھ پر یہ بہت گراں گزرا۔ میں نے سوچا کہ آپ کو ایک ہی اجر ملے اِس لیے میں نے آپ کو آج خود جگا دیا...... یہ کہہ کر وہ غائب ہو گیا۔

سالم بن عبداللہؓ اپنے والد عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں جو کوئی خواب دیکھتا تو آپؐ سے بیان کرتا۔ عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میری یہ خواہش تھی کہ میں کوئی خواب دیکھوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کر سکوں۔ میں اب نوجوان تھا اور حضورؐ کی زندگی میں مسجد نبویؐ میں سویا کرتا تھا۔ میں نے ایک خواب دیکھا کہ دو فرشتوں نے مجھے پکڑا اور جہنم کی آگ کی طرف لے گئے جو ایک کنوئیں کی طرح بنی ہوئی تھی اور اس کے دو کنارے تھے اور اس کے اندر ایسے لوگ تھے جنہیں میں پہچانتا تھا۔ میں نے کہنا شروع کر دیا: "میں جہنم کی آگ سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔" اتنے میں ایک اور فرشتہ آیا جس نے مجھ

سے کہا: "فکر نہ کرو۔" میں نے یہ خواب اپنی بہن حضرت حفصہؓ زوجۂ رسولؐ سے بیان کیا جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا۔ حضورؐ نے فرمایا:

نعم الرجل عبد الله ، لو کان یصلی من اللیل

"عبداللہ بن عمرؓ اچھا مرد ہے، کاش کہ وہ تہجد کی نماز پڑھتا۔"

سالم فرماتے ہیں کہ اُس کے بعد سے عبداللہ بن عمرؓ نے تہجد کی نماز ساری زندگی نہیں چھوڑی اور رات کو کم ہی سوتے تھے۔ (صحیح بخاری۔ صحیح مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہؓ آنحضرتؐ کے ساتھ تہجد پڑھا کرتی تھیں۔ آپ کی وفات کے بعد بھی انہوں نے سختی سے اُس کا اہتمام رکھا۔ حضرت حفصہ بنت عمرؓ (عبداللہ بن عمرؓ کی بہن) کی عبادت اور تہجد کی نماز کے اہتمام کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جبریل نے حضورؐ کے پاس آ کر حفصہ ؓ کی شب بیداری کی تعریف کی۔

حضرت جویریہؓ خوب عبادت کیا کرتی تھیں۔ ایک دفعہ خواب میں بڑے اچھے اور خوب صورت خیمے دیکھے۔ کسی نے انہیں بتایا کہ یہ تہجد پڑھنے والوں کے لیے ہیں۔ اُس کے بعد سے انہوں نے رات کا سونا ترک کر دیا۔

بایزید بسطامیؒ بہت بڑے عالم اور ولی اللہ گزرے ہیں۔ اُن کی وفات کے بعد ایک شاگرد نے انہیں خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا؟ اس پر بایزید بسطامیؒ نے انہیں بتایا: "کچھ کام نہ آیا۔ بس رات کی آخری گھڑیوں میں جو چند رکعتیں (تہجد کی) پڑھ لیتا تھا اُن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت فرما دی۔"

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جنہیں امت مسلمہ نے بالاجماع پانچواں خلیفہ راشد قرار دیا ہے پوری دنیا کی واحد سپر پاور یعنی اسلامی سلطنت کا حکمران ہونے کے باوجود ان کا حال یہ تھا کہ رات کو بہت تھوڑا سوتے تھے۔ رات کو ہاتھ اپنے آقا و مولا کے حضور اٹھا کر امت کی فکر میں قلب و جگر کا خون آنسوؤں کی صورت میں بہاتے یہاں تک کہ

آنکھ لگ جاتی۔ بیدار ہوتے تو عبادت اور اشک فشانی کا سلسلہ پھر جاری ہو جاتا حتیٰ کہ فجر کی نماز کا وقت ہو جاتا۔ ایسے حکمران کے اثرات عوام پر کیا پڑے اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ خلیفہ ولید بن عبدالملک کے زمانے میں ہر شخص کی زبان پر عمارتوں کا ذکر ہوا کرتا تھا کیونکہ وہ عمارتیں تعمیر کرنے کا دلدادہ تھا۔ سلیمان بن عبدالملک عورتوں اور اچھے کھانوں کا شوقین تھا تو اس زمانے کے لوگوں کے اعصاب پر عورتیں اور لذیذ کھانے سوار ہو گئے اور جب عمر بن عبدالعزیزؒ کا عہد آیا تو ہر جگہ اسلامی تعلیمات کا چرچا تھا۔ جب نوجوان آپس میں ملتے تو ایک دوسرے سے تہجد اور شب بیداری کی گفتگو کرتے۔

برصغیر پاک و ہند کے عظیم صوفی عالم خواجہ بختیار کاکیؒ نے وفات کے وقت ایک وصیت کی کہ ان کی نماز جنازہ ایسا شخص پڑھائے جس میں تین صفات ہوں:

(۱) جس نے کسی نامحرم عورت پر کبھی بری نگاہ نہ ڈالی ہو۔

(۲) جس کی عصر کی نماز کی تکبیر اولیٰ (پہلی رکعت) کبھی فوت نہ ہوئی ہو۔

(۳) جس نے تہجد کی نماز بھی کبھی نہ چھوڑی ہو۔

جب خواجہ بختیار کاکیؒ کے جنازے پر وصیت پڑھ کر سنائی گئی تو صبح سے شام ہو گئی، عصر کی نماز کا وقت ہو گیا لیکن جنازہ پڑھانے کے لیے آگے نہ بڑھا۔ تینوں شرطیں اتنی سخت تھیں اور علامہ مناظر احسن گیلانیؒ کے مطابق اُس اجتماع میں چالیس ہزار قرآن و حدیث کے طالب علم اور علماء شامل تھے لیکن کسی کو آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ کوئی اُن شرائط پر پورا نہیں اتر رہا تھا۔ عصر کے وقت ایک نقاب پوش صفوں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھا۔ اپنے منہ سے نقاب ہٹایا اور خواجہ بختیار کاکیؒ کی میت سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: ''اے خواجہ بختیار کاکی! مجھے پتہ ہے کہ یہ شرط آپ نے میرے ہی لیے لگائی تھی لیکن آپ نے مجھے دنیا کے سامنے بے نقاب کیوں کر دیا؟ اپنی بقیہ زندگی میں مجھ سے ان اعمال کی تکمیل میں اگر غفلت ہو گئی تو قیامت والے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا

منہ دکھاؤں گا۔'' یہ کہہ کر اس شخص نے خواجہ بختیار کاکیؒ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ کو حیرانی ہوگی یہ جان کر کہ وہ شخص کون تھا کہ جس نے زندگی میں تہجد کی نماز بھی نہیں چھوڑی؟ وہ نقاب پوش شخص دہلی کا تاجدار سلطان شمس الدین التمش تھا!

وہ اللہ کے نیک بندے عبادت کا کس قدر خیال رکھتے تھے۔ آج لوگوں کا حال یہ ہے کہ نوافل تو نوافل، لوگوں نے سنتیں تک ترک کردی ہیں۔ کچھ لوگ تو نماز کو نماز نہیں بلکہ ایک بیگار سمجھتے ہیں۔ آج لوگ کھیل تماشوں میں ساری ساری رات جاگ کر گزار دیتے ہیں۔ انڈین ویڈیو فلمیں، کیبل اور ڈش پروگرام، رات کے کرکٹ میچ اور انٹرنیٹ پر Websurfing یا گپ شپ (Chatting) کرتے ہوئے ساری رات آنکھوں میں نیند کا نام نہیں ہوتا جبکہ تہجد کی نماز کے صرف تصور ہی سے نیند آنا شروع ہوجاتی ہے۔ حالانکہ اگر ہمارے قلوب ایمان کی حلاوت سے آشنا ہوں تو جس طرح لوگ گناہوں کی لذت کی خاطر رات بھر جاگ کر گزار دیتے ہیں اسی طرح ہم اطاعت خداوندی کی لذت کی خاطر رات کی آخری گھڑیوں میں نیند سے بیدار ہوکر اللہ کی عبادت کرسکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ لذتِ معصیت کے فوراً بعد انسان کو خالی پن کا احساس (Feeling of Emptiness) ہوتا ہے جب کہ لذت عبادت سے دل میں سکون آتا ہے اور عبادت کی لذت، گناہ کی لذت سے کہیں بڑھ کر ہوتی ہے۔ امام حسن البناءؒ نے ایک مرتبہ اپنے ایک مرید کو نصیحت کی تھی:

> ''ایمان شیرینی ہے۔ اسے صدقہ اور وسطِ شب میں تہجد کی دو رکعتوں میں تلاش کرو۔ جب یہ شیرینی تم چکھ لوگے تو اللہ تعالیٰ اسے تمہاری روح کا حصہ بنادے گا۔ یہ وہ زبردست قوت ہے کہ جو شخص اُس سے بہرہ یاب ہوجاتا ہے وہ دنیا کی ہر طاقت سے ٹکرا سکتا ہے۔''

قرآن حکیم......ایک زندہ کتاب

قرآن ایک ایسی کتاب ہے جو کسی انسان کی تصنیف نہیں بلکہ انسانوں کے خالق اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔قرآن انسان کے لیے ایک ایسا ضابطہ حیات پیش کرتا ہے جس پر عمل کر کے انسان دنیا میں کامیابی اور آخرت میں فلاح حاصل کر سکتا ہے۔تاہم آج پوری دنیا میں سب سے زیادہ ناانصافی اسی کتاب کے ساتھ کی جاتی ہے۔مسلمانوں کی اکثریت اس کتاب کو سمجھے بغیر پڑھتی ہے۔شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ نے جنہیں برطانوی سامراج نے مالٹا کے جزیرے میں قید کر ڈالا تھا، ایک مرتبہ فرمایا تھا:

''جیل کی تنہائیوں میں غور و فکر کر کے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مسلمانوں کے زوال کے دو ہی اسباب ہیں۔ایک یہ کہ مسلمانوں نے قرآن کو چھوڑ دیا ہے اور دوسرے مسلمانوں میں اتحاد نہیں ہے۔''

یہ ایک حقیقت ہے کہ آج مسلمانوں کی ذلت و مسکنت کا سب سے بڑا سبب قرآن سے دوری ہے۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قوموں کے عروج و زوال کا سبب اسی قرآن سے تعلق یا لاتعلقی کو قرار دیا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتَابِ اَقْوَامً وَیَضَعُ بِہٖ آخَرِیْنَ.

(صحیح مسلم عن نافع)

''بے شک اللہ اس کتاب کی وجہ سے کتنی ہی قوموں کو اٹھائے گا اور کتنی ہی قوموں کو گرائے گا۔''

آج کے سہل پسند مسلمانوں نے قرآن کو ایک رسمی کتاب بنا ڈالا ہے اور صرف مخصوص تہواروں اور رسموں پر اسے ہاتھ لگاتے ہیں۔ کبھی دلہن کو شادی کے وقت قرآن کے نیچے سے گزارا جاتا ہے (چاہے اُس کا لباس کتنا عریاں ہو اور وہ سٹیج پر نامحرم مردوں کے سامنے بیٹھی ہو) اور کبھی قرآن کو حرام بزنس کے افتتاح پر پڑھا جاتا ہے۔ کبھی مرنے والے کے سرہانے قرآن پر قرآن پڑھ کر بخشے جارہے ہوتے ہیں (چاہے اُس مرحوم شخص کی تمام زندگی قرآن کے خلاف گزری ہو)۔ درحقیقت قرآن انہی لوگوں کو صحیح فائدہ دیتا ہے جو اُس پر عمل کرتے ہیں، صرف زبانی تعلق کا ڈھونگ (Lip Service) نہیں کرتے۔ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا﴾ (سورہ محمد:۲۴)

''کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔''

اسی طرح سورہ الفرقان میں سچے مسلمان کے یہ اوصاف اللہ نے گنوائے ہیں:

وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا﴾

''اور جب ان لوگوں کو اپنے رب کی آیات سمجھائی جاتی ہیں تو وہ ان پر اندھے اور بہرے ہو کر نہیں گرتے (بلکہ غور و فکر سے سنتے ہیں)۔ (سورہ الفرقان:۷۳)

مشہور مفسر علامہ زمخشری نے اِس کی تفسیر یوں بیان کی ہے کہ وہ قرآن کو کھلے کانوں سے سنتے اور دیکھنے والی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ قرآن میں تدبر ایک مومن کا خاصہ ہے۔ نومسلم مغربی مفکر چارلس گائی ایٹن (حسن عبدالحکیم) اپنی کتاب "Islam and the Destiny of man" میں لکھتے ہیں:

''قرآن ہر قرآن خواں کے لیے ایک آئینہ ہے۔ اگر کوئی اس کا مطالعہ غلط جذبے اور غلط اسباب کے تحت کرے گا تو اسے اس صحیفۂ نورانی میں کچھ نہیں ملے گا۔ اسی طرح اگر

کوئی سطحی انداز سے اس کا مطالعہ کرے گا تو اسے اس میں سطحی باتیں ہی ملیں گی اور خواص کو گوہر آبدار۔" (1)

ہم قرآن پر تفکر و تدبر کریں تو قرآن کے بہت سے پہلو ہم پر آشکار ہوتے ہیں جن میں سے چند پہلوؤں پر یہاں روشنی ڈالی جائے گی۔

ہر تہذیب کی بنیاد ایک کتاب پر ہوتی ہے

امریکی مفکر اور ماہر لسانیات پروفیسر بیری سینڈرز (Barry Sanders) اپنی کتاب "A is for ox" میں لکھتا ہے کہ ہر عظیم تہذیب کی بنیاد ایک کتاب ہوتی ہے۔ زبانی مقدس روایات کو یہی کتاب قلمبند کرتی ہے اور یہی چیز ایک علمی تہذیب کی بنیاد ہوتی ہے۔ مثلاً ہندو تہذیب کی بنیاد "رگ وید" تھی۔ یہودی تہذیب کی بنیاد "تورات" پر تھی جسے حضرت عزیرؑ نے اپنے حافظے سے دوبارہ لکھوایا تھا۔ یونانی تہذیب کی بنیاد ان کے عظیم نابینا شاعر ہومر کی دو کتابیں "ایلیڈ" (Illiad) اور "اوڈیسی" (Odyssey) تھیں۔ عیسائی تہذیب کی بنیاد بائیبل (Bible) تھی۔(2)

اسی طرح اسلامی تہذیب کی بنیاد "قرآن" ہے۔ اسلام سے قبل عربوں میں کوئی کتاب نہ تھی۔ قرآن عرب تہذیب کی پہلی کتاب تھی۔ اسی لیے اسے "الکتاب" کہا گیا ہے۔ ﴿ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾ (سورہ البقرہ) اسلام سے قبل عرب لوگ "امیین" (ان پڑھ) تھے لیکن اس کتاب (قرآن) نے ایک ایسی عظیم تہذیب کی بنیاد رکھی جو دنیا کی سب سے زیادہ پڑھی لکھی قوم بن گئی، جس کی بغداد اور سپین کی اسلامی کتب کی لائبریریوں کا مقابلہ روئے زمین پر کوئی دوسری قوم نہ کر سکتی تھی۔

---

1) Eaton, Charles Le Gai (1985). Islam and the Destiny of Man. New York, The Islamic Texts Society.
2) Sanders, Barry (1995). A is for ox. New York, Vintage Books.

ایک مغربی غیر مسلم محقق ٹائٹس برک ہارٹ (Titus Burckhart) اپنی کتاب "Art of Islam: Language and Meaning" میں لکھتا ہے:

''عربی میں مختلف مادوں سے مشتق الفاظ کا ذخیرہ وسیع اور لامتناہی ہے۔ یہ ہمیشہ نئے برگ و بار پیدا کرتا رہتا ہے اور بنیادی الفاظ کے ایسے ایسے معنی نکالتا ہے جو خوابیدہ تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحرا نشین بدوؤں کی زبان کس طرح ایک عظیم تہذیب کے اظہار و تکلم کا ظرف اور پیمانہ بن گئی جو علمی اور ذہنی اعتبار سے مالا مال تھی۔'' (1)

ٹائٹس کا قرآن کے متعلق یہ مشاہدہ بالکل صحیح ہے۔ قرآن کا عربی زبان میں نازل ہونا بذاتِ خود ایک معجزہ ہے۔ قرآن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ قُرْآناً عَرَبِيّاً لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿ (سورہ یوسف: آیت۲)

''بے شک ہم نے قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا کہ تم غور و فکر کرو۔''

قرآن نے اسلامی تہذیب اور عربی زبان دونوں کو عالمگیر بنا دیا۔ یو این او کی دنیا کی زبانوں سے متعلق تحقیق کے مطابق اس وقت دنیا میں تین ہزار (3000) زبانیں بولی جاتی ہیں۔ ان میں سے 78 لکھی جاتی ہیں۔ ان 78 زبانوں میں سے صرف 8 زبانوں کا لٹریچر پوری دنیا میں استعمال ہوتا ہے اور پڑھا جاتا ہے۔ ان 8 زبانوں میں عربی بھی شامل ہے۔

الجزائر کے فقید المثال اسلامی مفکر اور عمرانی سائنسدان مالک بن نبی اپنی کتاب "The Quranic Phenomenon" میں لکھتے ہیں کہ اسلام سے قبل کے عرب اپنے بتوں سے بھی زیادہ، فصیح عربی زبان کی پرستش کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب قرآن اپنی معجزاتی عربی کے ساتھ ان کے سامنے آیا تو وہ لوگ اس کتاب کے گرویدہ ہو گئے اور اس کے ہر حکم پر عمل کرنے لگ گئے۔ مالک بن نبی کے مطابق آج مسلمانوں کے زوال کے اسباب میں سے

---

1) Burckhardt, Titus (1976). Art of Islam: Language and Meaning. London, Islamic Festival Trust Ltd.

ایک سبب قرآن سے دوری ہے جس کی بڑی وجہ قرآنی عربی سے لاتعلقی ہے۔ **(1)**

یہ بات ہم عجمی مسلمانوں کے علاوہ آج کے عرب مسلمانوں پر بھی اسی طرح صادق آتی ہے کیونکہ وہ قرآنی عربی سے لاتعلق ہوگئے ہیں۔اس کی اہمیت امام شافعیؒ نے کئی سو سال پہلے بھانپ لی تھی جب انہوں نے اپنی اصول فقہ کی کتاب ''الرسالہ'' میں لکھ دیا تھا۔

یحب علی کل مسلم ان یتعلم من لسان العرب مایبلغه جهده فی أداء فرضه.

(ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ عربی زبان سیکھنے کی ہر ممکن کوشش کرے۔)

قرآن میں تاریخ وقصص کی اہمیت

بیری سینڈرز (Bary Sanders) نے اپنی کتاب "A is for ox" میں یہ انکشاف کیا ہے کہ ہر تہذیب کی بنیاد جو کتاب ہوتی ہے اس کی سب سے اہم خصوصیت اس میں موجود تاریخ وقصص ہوتے ہیں یہ بات جس طرح رگ وید، تورات، بائبل وغیرہ پر صادق آتی ہے اسی طرح قرآن پر بھی بلکہ قرآن تو ''احسن القصص'' یعنی سب سے بہترین قصہ بھی سناتا ہے۔

اگر ہم قرآن کے انداز پر غور کریں تو ہم دیکھیں گے کہ قرآن میں پیغام حق پہنچانے کا ایک ذریعہ سابقہ اقوام کے قصے اور امثلہ ہیں۔اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ قصص کے ذریعے بعض اوقات اسلامی تعلیمات زیادہ بہتر طریقے سے دلنشین کروائی جاسکتی ہیں بہ نسبت خشک مضامین کے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ سچی کہانیاں تاریخ کا حصہ ہوتی ہیں اور قرآن ہمیں تاریخ سے سبق سیکھنے کا درس دیتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

1) Bennabi, Malik (2001). The Quranic Phenomenon: An Essay of a Theory on the Qur'an. Kuala Lumpur, Islamic Book Trust.

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾ (سورہ الاعراف:۱۷۶)
''تم یہ حکایات ان کو سناتے رہو شاید کہ یہ کچھ غور وفکر کریں۔''

امریکی نومسلم عالم اسلام شیخ حمزہ یوسف ہیں سن (Hamza Yusuf Hanson) اپنی کتاب "Beyond Schooling" (مطبوعہ کینیڈا، ۲۰۰۱ء) میں قصص وامثال کی اہمیت کے متعلق لکھتے ہیں:

''ہمیں کہانیوں کی اسی طرح ضرورت ہے جس طرح پانی کی۔ ہمیں حکایات کی ضرورت ہے۔ قرآن ایک عظیم تذکرہ ہے''یقص علینا'' قرآن میں بہت سے قصص ہیں۔ انسانوں کو ایسی کہانیوں کی ضرورت ہوتی ہے جن کے معانی نکلتے ہوں۔''

قرآن میں آتا ہے:

وَجَاءَكَ فِي هَـٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ﴾
''اور ان قصص کے ذریعے تمہارے پاس حق پہنچ گیا اور مومنوں کے لیے نصیحت اور عبرت بھی۔'' (سورہ ھود: ۱۲۰)

آسٹریا کے نومسلم عالم اسلام اور مفسر قرآن محمد اسد (Leopold Weiss) اپنی تفسیر قرآن (The Message of Quran) میں لکھتے ہیں: ''قرآن جب بھی ماقبل اسلام کے پیغمبروں کے احوال یا قدیم تاریخی کہانیوں، واقعات یا قبل از نبوت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے واقعات کا حوالہ دیتا ہے تو اس کا مقصد وحید اخلاقی سبق آموزی ہی ہوتا ہے اور چونکہ ایک ہی واقعے یا داستان کی کئی تعبیروں کی جاسکتی ہیں جن سے کئی اخلاقی مفہوم برآمد ہوسکتے ہیں، اس لیے قرآن مبین ان حکایات اور داستانوں کو بار بار دہراتا ہے اور ہر بار بنیادی حقیقت کے مختلف گوشوں کو روشن کرتا ہے جو من حیث المجموع وحی قرآنی کا نکتہ ماسکہ (Focal point) ہے۔''

ایک اور مقام پر محمد اسد لکھتے ہیں: ''ان قصص میں پوشیدہ 'تہہ در تہہ حقیقت' (many-sided, many-layered truth) دراصل روح انسانی میں موجود گہرائیوں اور اُلجھنوں سے تعلق رکھتی ہے۔'' (1)

قرآن......حق و باطل کو علیحدہ کرنے والی کتاب

عربی زبان کا ایک محاورہ ہے: **تُعْرَفُ الْاَشْیَاءُ بِاَضْدَادِھَا.**

''چیزیں اپنی ضد (Opposites) سے پہچانی جاتی ہیں۔''

قرآن کا ایک نام ''الفرقان'' ہے جس کا مصدر ہے ''فرق'' یعنی ''اس نے جدا کیا۔'' قرآن کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ حق اور باطل میں فرق کرنے والی کتاب ہے۔ اس کتاب کی حیثیت ایک شمشیر قاطع کی طرح ہے جو حق و باطل اور خیر و شر کے بارے میں انسانی ذہنوں کے الجھاؤ کو دُور کر دیتی ہے۔ پروفیسر توشی ہیکو آئیزٹسو (Toshihiko Izutsu) جاپان کا ایک عظیم مفکر گزرا ہے جس کی حال ہی میں وفات ہوئی ہے۔ وہ ٹوکیو کی کیو یونیورسٹی (Keio University) میں پروفیسر تھا۔ پروفیسر آئیزٹسو کی قابلیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ چھتیس زبانوں پر عبور رکھتا تھا۔ موصوف کو قرآنی عربی پر بھی زبردست عبور تھا۔ پروفیسر آئیزٹسو نے کئی سالوں کی تحقیق کے بعد قرآنی تعلیمات پر ایک کتاب لکھی جس کا عنوان تھا (Ethico Religious Concepts in the Quran) (مطبوعہ کینیڈا ۲۰۰۲ء) اِس کتاب میں موصوف نے بتایا کہ قرآن میں (برخلاف دوسری مذہبی کتابوں کے) متقابل نظریات (Theme of Opposites) اور اُن کو روبرو پیش کرنے کا موضوع بہت عام ہے۔ پروفیسر آئیزٹسو کے مطابق قرآن جو عالمگیر نظریہ پیش کرتا ہے اُس کے مطابق انسانوں کے اخلاق و اعمال کو دو اقسام میں تقسیم

---

1) Asad, Mohammad (2003). The Message of the Qur'an. Watsonville (California), The Book Foundation.

کیا جا سکتا ہے جو ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ مثلاً قرآن ''کافر'' کے مقابلے میں ''مؤمن'' کا لفظ استعمال کرتا ہے کافر وہ ہیں جنہوں نے ''باطل'' کو اپنایا اور مومن وہ جنہوں نے ''حق'' اختیار کیا۔ ''مسلمین'' کے مقابلے میں قرآن ''مجرمین'' کو اُن کی ضد کے طور پر لاتا ہے۔ اسی طرح ''اصحاب الجنۃ'' کی ضد کے لیے ''اصحاب النار'' کی اصطلاح قرآن استعمال کرتا ہے۔ (1)

پروفیسر آئیزٹسو کا قرآن کے متعلق یہ عمیق تجزیہ حقیقت سے خالی نہیں۔ قرآن نے خود اپنے متعلق یہ کہا ہے:

لاَ إِكْرَاهَ فِيْ الدِّيْنِ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ﴿ (سورہ البقرہ:۲۵۶)

ترجمہ: ''دین اسلام میں زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت صاف طور پر ظاہر اور گمراہی سے الگ ہو چکی ہے۔''

قرآن ایک ایسی وحی الٰہی ہے جو پورے منظر کو منور کر دیتی ہے جس سے ہر چیز صاف صاف نظر آتی ہے اور اپنا اپنا مقام پا لیتی ہے۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جاتا ہے۔ قرآن نے انسان کو دونوں راستے دکھا دیتا ہے اور اختیار انسان پر چھوڑ دیتا ہے:

وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ ﴿ (سورہ البلد:۱۰)

ترجمہ: ''اور ہم نے اُسے (انسان کو) دونوں راستے دکھا دیئے۔''

قرآن......ہدایت وموعظت کی کتاب

قرآن اللہ کا کلام ہے جو رسول کریمؐ پر ۲۳ برس میں نازل ہوا۔ اس لحاظ سے قرآن دوسری کتابوں سے مختلف ہے کہ اس کو جب کوئی ظاہر بین دیکھتا ہے تو اُسے قرآن میں بے

---

1) Izutsu, Toshihiko (2002). Ethico-Religious Concepts in the Qur'an. Montreal, McGill-Queen's University Press.

ربطی نظر آتی ہے لیکن یہی قرآن کا معجزہ ہے کہ ہم قرآن کو جہاں سے بھی کھولیں تو یہ ہمارے لیے ہدایت کا پیغام ہوگا۔قرآن کے اسی وصف کے متعلق برطانوی نومسلم مفکر چارلس گائی ایٹن اپنی کتاب "Islam and the Destiny of Man" میں لکھتے ہیں:

> ''یہ ایک واضح سی بات ہے کہ کسی انسان کی تصنیف کردہ کوئی بھی کتاب ہر کس و ناکس کے لیے نہیں ہوتی جبکہ کلام الٰہی ہر خاص و عام کے لیے ہوتا ہے۔اسی بنا پر اسے کسی انسان کی تصنیف یا تالیف کردہ کتاب کی طرح نہیں پڑھا جا سکتا۔انسانی تصنیف کی مثال چاند سورج اور بارش جیسی ہے جو سب کے لیے ہیں تاہم ان مظاہر قدرت کا اثر ہر ایک پر مختلف ہوتا ہے۔کچھ کے لیے دھوپ، چاندنی اور بارش پیام حیات لاتے ہیں اور کچھ کے لیے پیغام موت۔یہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن کے فیوض و برکات بھی اسی انداز کے ہیں.....چونکہ قرآن اصلاً کلام الٰہی ہے (جس سے خود ہماری پیدائش بھی وابستہ ہے) اس لیے یہ ہمارے وجود کے ہر خلا کو پر کرنے کا سامان اپنے اندر رکھتا ہے اور نہ صرف یہ بلکہ وہ تو ان خلاؤں میں جمع کثافتوں کو نکال باہر کرنے اور ان کی جگہ ازلی اور ابدی حق جاگزیں کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔'' (1)

قرآن، فقہ کی مروج کتابوں کی طرح احکامات کی خشک کتاب نہیں۔درحقیقت قرآن کی ۶،۲۳۶ آیات میں سے صرف تقریباً ۶۰۰ آیات کا تعلق احکامات سے ہے۔قرآن کے باقی حصے کا مقصد موت، آخرت اور سابقہ امتوں کے قصص کے ذریعے انسان کی ایمانی تربیت اور موعظت ہے۔شیطان جیسے خطرناک دشمن (جبکہ وہ انسان کو نظر بھی نہیں آتا) کی موجودگی میں ایک ایسی کتاب جو محض چند حلال و حرام کے قوانین کا مجموعہ ہو آخر انسان کو کیسے کافی ہو سکتا ہے۔مفسر قرآن مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

---

1) Eaton, Charles Le Gai (1985). Islam and the Destiny of Man. New York, The Islamic Texts Society.

"قرآن میں احکام وقوانین کا بیان اس طرح نہیں ہوتا جس طرح فقہ وقانون کی عام کتابوں میں ہوتا ہے۔ قرآنِ کریم ہر حکم کے آگے پیچھے خدا کی صفات اور آخرت کی بار بار یاددہانی کراتا ہے اوراس کے روحانی واخلاقی نتائج اور اجتماعی وتمدنی فوائد ایسے دل نشین انداز میں پیش کیے جاتے ہیں کہ دل پر اُن احکام کا اثر پڑتا ہے۔ فقہ کی کوئی کتاب پڑھیے تو قلب پر کوئی اثر طاری نہ ہوگا، لیکن انہی باتوں کو اگر قرآن مجید میں تدبر کے ساتھ پڑھیے تو روح کا گوشہ گوشہ ان کی عظمت کے احساس اوران کی تکمیل کے جذبہ سے معمور ہوجائے گا۔" (1)

صحابہ کرامؓ کا طریقہ تدبر قرآن

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن کے مخاطب اول تھے۔ اُن کا طریقہ یہ تھا کہ وہ قرآن پر تفکر وتدبر کیا کرتے تھے اوراس کے ساتھ ساتھ اجتماعی دروسِ قرآن کا اہتمام بھی کرتے تھے۔ صحابہ کرامؓ نے قرآن مجید کے مطالعے کے لیے ایسے حلقے قائم کیے ہوئے تھے جن میں لوگ اکٹھے ہوکر قرآن کا اجتماعی مطالعہ کرتے تھے۔ حضورؐ ایسے حلقوں کے قیام کے لیے مؤثر الفاظ میں لوگوں کو شوق دلایا کرتے تھے۔ سنن ابوداؤد میں روایت ہے:

"جو لوگ کسی جگہ جمع ہوکر اللہ کی کتاب پڑھتے اور باہم درس ومذاکرۂ قرآن کی مجلسیں قائم کرتے ہیں اُن پر اللہ کی طرف سے تسکین اور رحمت کی بارش ہوتی ہے اور ملائکہ اُن کو ہر طرف سے گھیرے کھڑے رہتے ہیں اور اللہ اپنے مقربین کے حلقہ میں اُن کا ذکر فرماتا ہے۔" (سنن ابوداؤد۔ کتاب الوتر) (2)

---

1) مولانا امین احسن اصلاحی، مبادی تدبر القرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور ۱۹۹۹ء

2) اِس حدیث کو شیخ ناصرالدین البانی نے صحیح سنن ابوداؤد میں صحیح کا درجہ دیا ہے (1/1455)

اِس حدیث سے نہ صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ درسِ قرآن کی مجالس بڑی بابرکت ہوتی ہیں بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کے دور میں اس طریقے کا بڑا چرچا تھا۔ اُس زمانہ میں درسِ قرآن کی مجلسیں منعقد ہوا کرتی تھیں، صحابہ کرامؓ اُن میں شریک ہوا کرتے تھے، اور آیاتِ قرآنی پر غور کرتے تھے۔ خود حضورؐ بھی کبھی کبھی ان مجالس میں شرکت فرماتے تھے، یہاں تک کہ بعض احادیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آپؐ نے فکر و تدبر کی ان مجلسوں کو ذکر و عبادت کی مجلسوں پر ترجیح دی اور زاہدوں، عابدوں کی ایک مجلس کو چھوڑ کر اہلِ علم کی مجلس میں یہ کہہ کر بیٹھ گئے کہ میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ بعد میں خلفائے راشدین، بالخصوص حضرت عمرؓ، اس قسم کے حلقوں سے اور قرآن کے ماہرین سے برابر دلچسپی لیتے رہے۔ (بحوالہ ''مبادیٔ تدبرِ قرآن'' از مولانا امین احسن اصلاحی)

صحابہ کرام قرآن پر اتنا گہرا غور و فکر کرتے تھے کہ بعد کی تاریخ ایسے تدبر کی مثالیں پیش کرنے سے قاصر ہے۔ مؤطا امام مالک کی ایک روایت ہے: ''حضرت عبداللہ بن عمرؓ مسلسل آٹھ سال تک سورۂ بقرہ پر تدبر فرماتے رہے۔'' صحابہ قرآن پر گہرا تدبر کرتے، اُسے اپنے کردار کا حصہ بناتے اور پھر درسِ قرآن میں اپنے قول اور فعل سے قرآن کی تبلیغ کرتے۔

ایران کے مسلمان مفکر اور عمرانی سائنسدان ڈاکٹر علی شریعتی اپنی کتاب "On the Sociology of Islam" میں لکھتے ہیں کہ ایک اسلامی معاشرے کے قیام اور اسلام کا صحیح اور سائنٹفک علم حاصل کرنے کے لیے قرآن کی درس و تدریس اور تاریخِ اسلامی کا تجزیہ دو اہم ستونوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر علی شریعتی کی رائے سے ہم اتفاق کرتے ہیں کیونکہ اجتماعاتِ درسِ قرآن اسلامی معاشرے کی بیداری میں نہایت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ مؤرخ فرحت عباس اپنی کتاب "The Night of Imperialism" میں رقمطراز ہے کہ شمالی افریقہ کے ممالک یعنی مراکش، الجزائر اور تونس میں معاشرتی

بیداری اُس وقت سے شروع ہوگئی جب مصری عالم شیخ محمد عبدہٗ شمالی افریقہ میں تشریف لائے اورانہوں نے وہاں درسِ قرآن کے سلسلے شروع کیے۔تعلیم اور درسِ قرآن ایک ایسا مضمون تھا جو وہاں کے مذہبی حلقوں میں اِس سے پہلے نہیں پایا جاتا تھا۔ (1)

قرآن سے شغف کی چند تاریخی مثالیں

ہماری اسلامی تاریخ صحابہ کرام اور آئمہ اسلام کے قرآن سے تعلق اور اُس میں تفکر وتدبر کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔یہاں اِس مضمون کے اختتام پر صرف چند مثالیں درج کی جاتی ہیں:

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکرؓ بڑے رقیق القلب تھے۔قرآن پڑھتے وقت خود پر قابو نہ رکھ سکتے تھے اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ وفات کے وقت بھی سورہ یوسف کی آیت:''**رب توفنی مسلما والحقنی بالصالحین**'' زبان پر تھی جب ان کی روح نکلی۔

ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ اُن کے والد حضرت عمرؓ پر صبح کی نماز میں ایسا گریہ طاری ہوا کہ میں نے اُن کی ہچکی کی آواز تین صفوں کے پیچھے سے سنی۔حضرت علیؓ کو بھی قرآن سے ایسا ہی شغف تھا۔

امام محمد اور ابن عساکر کی روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ کہتے تھے کہ تمہارے دل پاک ہو جائیں تو تم کو کبھی کلام اللہ سے سیری نہ ہو، میں نہیں چاہتا کہ میری عمر میں کوئی دن ایسا گزرے جس میں مجھے قرآن دیکھ کر پڑھنے کی نوبت نہ آئی ہو۔جس وقت حضرت عثمانؓ کی شہادت ہوئی، آپ سورہ البقرہ کی تلاوت کررہے تھے۔ماتھے سے خون کا فوارہ پھوٹا اور قرآن پر خون ٹپکنے لگا اور جب خون بہتا ہوا قرآن کی اِس آیت پر پہنچا تو خون رُک گیا:

---

1) Shariati, Dr. Ali (1979). On the Sociology of Islam. Berkeley (California), Mizan Press.

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيم ﴾(سورہ البقرہ:۱۳۷)

ترجمہ: ’’اطمینان رکھو کہ اُن کے مقابلے میں اللہ تمہاری حمایت کے لیے کافی ہے۔ وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے‘‘

چنانچہ محدثین نے لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی گواہی قیامت کے دن خود قرآن دے گا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے شب و روز قرآن پر تدبر میں گزرتے۔ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو اُن کی بیوی فاطمہ بنت عبدالمالک نے اُن کو کہتے سنا: ’’کیا مبارک چہرے ہیں جو نہ آدمیوں کے ہیں نہ جنوں کے‘‘ اُس کے بعد سورہ القصص کی یہ آیت تلاوت کی اور آپ کی روح پرواز کر گئی:

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ (سورہ القصص:۸۳)

’’وہ آخرت کا گھر تو ہم اُن لوگوں کے لیے مخصوص کردیں گے جو زمین پر اپنی بڑائی نہیں چاہتے اور نہ فساد کرنا چاہتے ہیں اور انجام کی بھلائی صرف پرہیزگاروں ہی کے لیے ہے۔‘‘
(بحوالہ: سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ از علامہ ابن جوزی)

امام ابن تیمیہؒ قرآن کی تفسیر پر تدبر کرتے ہوئے جب کسی مشکل مقام پر پہنچتے تو جنگلوں میں نکل جاتے اور خاک پر اپنی پیشانی رگڑ کر اللہ سے شرح صدر کے لیے دعا کرتے۔ يَا مُعَلِّمُ آدَمَ وَإِبْرَاهِيمَ عَلِّمْنِي (اے آدمؑ اور ابراہیمؑ کے اُستاد۔ (اے اللہ) مجھے علم سکھا۔) امام ابن تیمیہؒ کی قرآن سے محبت کا یہ عالم تھا کہ اُن کی وفات

مصر میں ہوئی (۱۳۸۷ ہجری) لیکن چین (China) تک میں یہ اعلان سنا گیا: ''لوگو! ترجمان القرآن کی وفات ہوگئی ہے۔''

سید قطب نے جو تفسیر قرآن (**في ظلال القرآن**) لکھی ہے اُس میں اُن کی والدہ کی قرآن سے بے پناہ محبت کا بہت کچھ دخل ہے۔ سید قطب اپنی کتاب ''**التصویر الفني في القرآن**'' کا انتساب اپنی والدہ محترمہ کی طرف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اے میری ماں! گاؤں میں رمضان کا پورا مہینہ جب ہمارے گھر قاری حضرات قرآن کی دل نشین انداز میں تلاوت کیا کرتے تھے تو آپ گھنٹوں کان لگا کر پوری محویت کے ساتھ پردے کے پیچھے سے تلاوت سنا کرتی تھیں۔ میرا دل الفاظ کے ساحرانہ لحن سے محظوظ ہوتا تھا اگرچہ میں اُس وقت مفہوم سے ناواقف تھا...... اے ماں! آپ کا ننھا بچہ، آپ کا جوان لختِ جگر آج آپ کی تعلیم و تربیت کی طویل محنت کا ثمرہ آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہے۔''